مواخات و میثاق مدینہ کے تناظر میں اصلاح معاشرہ سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے

ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے

پی ایچ ڈی

زیر نگرانی:

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امیدوار:

زینت رشید

شعبہ القرآن والسنۃ، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

جون ۲۰۰۳

Corrected Thesis

As external examiner suggested, changes have been made in the following chapters:

verified

DR. FAZAL AHMAD
Chairman
Deptt. of Qur'an & Sunnah
University of Karachi

22.12.03

Prof. Dr. Muhammad Masood Ahmed
Research Supervisor

Prof. Dr. Muhammad Masood Ahmed
2/17-C, P.E.C.H.S. Society,
Karachi-75400 (Pakistan)

انتساب

قطب دوران'

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب کے نام ، جنھوں نے میری طرح ہزاروں انسانوں کو دین و دنیا کے علم کی روشنی عطا فرماتے ہوئے ان کی تقدیر بدل دی۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اگر آج اصلاح معاشرہ کے لئے حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا عملی نمونہ دیکھنا ہو تو وہ یہی قطب دوراں ہیں۔

زینت رشید

محمد مسعود احمد

۲/۱۷-سی ــــ پی، ای، سی، ایچ سوسائٹی
کراچی (سندھ) کوڈ نمبر ۷۵۴۰۰

Tel: 4552468 —— Fax: 92 - 21 - 2561574 —— E-Mail: E-Mail almazhar@sat net.pk

June 24, 2003

CERTIFICATE

Certified that Ms. Zeenat Rashid has carried out research on the topic

موا خات و میثاق مدینہ کے تناظر میں اصلاح معاشرہ
سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے ــــــــ ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

under my supervision.

Her work is original, distinct and her dissertation is worthy of presentation of the University of Karachi for award of Ph.D. degree in Qur'an and Sunnah.

M. Ahmed 24/6/03

(Prof. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmed)

Prof. Dr. Muhammad Masood Ahmed
2/17-C, P.E.C.H.S. Society.
Karachi-75400 (Pakistan)

ترتیب مقالہ

صفحہ

باب دوم : ۴۷ - ۲۷

قیام امن کی ابتدا ____ حضور ﷺ کی مکی و مدنی زندگی کے تناظر میں

Prophet Muhammad's (SAWS) peace Initiatives: Life of Makkah and Madinah perspectives

باب سوم : ۷۳ - ۹۶

مواخات مکی و مدنی کے لئے حضور ﷺ کی سعی

Prophet Muhammad's(SAWS) effort on Building Muslim Brotherhood in Makkah and Madinah

باب ششم : ۱۴۸_۱۶۴

قیام امن عالم کے لئے حضور ﷺ کی مسلسل کاوشیں

Prophet's continous efforts of globel peace and peaceful co-existance

مقدمہ :

سب سے پہلے میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ میں نے اپنے Ph.D مقالہ کے لیے سیرت طیبہ کے ایک موضوع ہی کا انتخاب کیوں کیا جبکہ سیرت طیبہ پر بہت زیادہ مواد موجود ہے اس سلسلے میں مصر کی روایتی بڑھیا کی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کا عزم میرے پیش نظر ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے فرمان ________

و رفعنا لک ذکرک (۱)

نے مجھے ایک ذرہ کی حیثیت سے آفتاب کی مدح کرنے کی ہمت دلائی تاکہ جب بھی رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ کا ذکرگرامی ہو تو لکھنے والوں میں مجھ ناچیز کا ذکر بھی آجائے اور میری شفاعت کا وسیلہ بن جائے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیرت نگاری کی ابتداء اسی روز سے ہوگئی تھی جس روز آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تھا۔ چنانچہ جب آنحضور ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لائے اور اپنی اہلیہ قدسیہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے اپنی گھبراہٹ کا اظہار فرمایا تو انہوں نے آپ ﷺ کی تسلی وتشفی کے لئے فرمایا۔

کلا و اللہ لا یخزیک اللہ ابداً انک لتصل
الرحم و تحمل الکلّ وتکسب المعدوم و
تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔(۲)

ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہرگز کبھی رسوا نہ کرے گا۔
آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے، مقروض کا بوجھ اٹھاتے،
ضرورت مند کو کما کر دیتے، مہمان نواز اور مصائب زدہ
لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں۔

درحقیقت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان الفاظ میں نبی کریم ﷺ کی چالیس سالہ مکی زندگی کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے مگر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انداز اور اسلوب ملاحظہ فرمایئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کس طرح دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ پھر الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی بندش ایسی ہے کہ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت طیبہ ﷺ پر آج تک جتنی بھی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی کتاب بھی ان الفاظ کی خوشبو سے خالی نہیں ہے، اس لئے میرے خیال میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دنیا کی پہلی سیرت نگار ہیں، جنہوں نے نپے تلے انداز میں سیرت نگاری کی ابتدا کی۔ پھر جوں جوں اسلام کا نور پھیلتا گیا اور لوگ اسلام قبول کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں کو اپناتے رہے، سیرت نگاری کا یہ ذوق عام ہوتا چلا گیا۔ اسلام قبول کرتے ہی آنحضور ﷺ کی محبت ان کے دل و دماغ کو فتح کر کے ان کے کردار اور اخلاق کے رنگ بدل دیتی تھی۔ پھر یہ لوگ آنحضور ﷺ ہی کے اخلاق و شمائل، عادات و خصائل، آپ ﷺ کے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے انداز اور دوسری باتوں کو اپنی گفتگو کا موضوع بناتے اور دوسرے لوگوں میں اس کا تذکرہ کرتے۔ یوں اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ''سیرت نگاری'' کا فن بھی ترقی کرتا چلا گیا۔ چونکہ یہ لوگ پیدائشی طور پر شاعر اور خطیب تھے، اس لئے جو بات کرتے بڑے سلیقہ سے کرتے تھے۔ اس لئے ''سیرت نگاری'' اور شمائل نگاری میں ان کا انداز بایں پختہ اور مؤثر ہوتا۔ چنانچہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے صاحب زادے ابو ہالہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جس طرح اسلام لانے میں پیش پیش تھے، اسی طرح ان حضرات نے سیرت نگاری میں بھی اپنی

''قدامت'' کی شان برقرار رکھی، جبکہ انصار مدینہ میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سب سے زیادہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ نے نبی اکرم ﷺ کی ''سیرت نگاری'' میں نام پیدا کیا۔ یہ تمام لوگ فصاحت و بلاغت کا مجسمہ تھے، اس لئے انہوں نے سیرت نگاری میں بھی فصاحت و بلاغت کے اصولوں کا پوری طرح خیال رکھا۔ (۳)

ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر جب بھی اظہار خیال کیا ایجاز و اختصار اور جامعیت کا ضرور خیال رکھا، اس لئے ان حضرات کی ''سیرت نگاری'' مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامعیت والی شان رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے اقوال کے مطالعہ کے لئے خود اہل زبان کو بھی ڈکشنری کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

سیرت نگاری کا دوسرا دور:۔

صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا دور آیا تو ''سیرت نگاری'' کا یہ نور مزید پھیل گیا۔ اس دور میں اس عنوان میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کی ابتداء ہوئی۔ ان تابعین میں حضرت ابان بن عثمان اور حضرت عروہ بن زبیر جن کی مغازی کا مخطوط و مطبوع نسخہ موجود ہے، شرجی بن سعد، وہب بن منبہ، عبداللہ بن ابی بکر، عاصم بن عمر بن قتادہ، معمر بن راشد، ابومعشر السندی اور ابن شہاب الزہری وغیرہ شامل ہیں۔ (۴) تاہم ان میں سے بیشتر حضرات کی کتابیں دست بروز مانہ کا شکار ہوگئی ہیں اور اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اس عہد میں سیرت نگاری کے فن میں کئی ایک جدتیں اختیار کی گئیں، جن کی ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے۔ ابتدائی زمانے میں ''روایت پسندی'' کی پابندی کی بنا پر بڑی سختی سے روایت کے الفاظ اوکلمات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اور ایک روایت کے

الفاظ دوسری روایت کے الفاظ کے ساتھ مخلوط نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ یہ طریق علمی اور ادبی اعتبار سے بڑا مفید تھا لیکن اس سے کسی واقعے کو سمجھنے اور اس کے متعلق کسی نتیجے تک پہنچنے میں بڑی دقت پیش آتی تھی، اس لئے اس زمانے میں کچھ تابعین نے جن میں امام ابن شہاب الزہریؒ پیش پیش تھے۔ یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ مختلف روایتوں کو باہم ملا کر ایک روایت بنا دی تھی۔ اس علمی پیش رفت نے سیرت نگاری کو ایک نئی جدت کی اور اس فن نے ایک نئے میدان میں قدم رکھا۔ اس کے علاوہ پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نامور تابعی حضرت عاصم بن عمر بن قتادہؒ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ مسجد دمشق میں مغازی و مناقب پر درس دیا کریں۔(۵) اس سے یقیناً اس فن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس میں عوامی رنگ پیدا ہونا شروع ہوا۔

تصنیف و تالیف کا دور:۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ اب تک جو کچھ بھی تھا، وہ زیادہ تر زبانی و کلامی روایات کے مرہون منت تھا۔ اس دور میں جن حضرات نے تصنیفی و تالیفی مجموعے مرتب کئے تھے۔ وہ زیادہ تر اپنی معلومات اور یادداشت کے لئے تھے، مگر اب وقت آ گیا تھا کہ جو کچھ زبانی و کلامی طور پر روایت کیا جا رہا تھا، اسے کتابی صورت میں مدون اور مرتب کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف امام بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کو عطا کیا۔ نامور ماہر کتابیات حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے:

> ''اول من صنف فیہ الامام محمد بن اسحاق رئیس اہل المغازی''۔(۶)

یعنی سب سے پہلے اس عنوان پر محمد بن اسحاق نے جو اصحاب مغازی کے سردار تھے، کتاب مرتب کی۔

ان کی کتاب بھی وقت کے ہاتھوں ناپید ہوگئی، تاہم ان کی کتاب کو محفوظ کرنے کی سعادت عبدالملک بن ہشام الحمیری کو حاصل ہوئی، جن کی کتاب ''سیرت ابن ہشام'' کہلاتی ہے۔ اور اپنی قدامت اور اپنے انداز بیان کے اعتبار سے دنیائے سیرت میں ایک ممتاز اور منفرد مقام کی حامل ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر علامہ عبدالرحمان السہیلیؒ اور علامہ بدرالدین محمود ابن احمد العینی وغیرہ، نے اس کی شرح لکھی۔ ابن ہشام کے بعد متعدد لوگوں نے اس عنوان پر مزید تحقیق کی اور اس عنوان کو بڑا قبول عام حاصل ہوگیا۔ اس فہرست میں اس دور کے دوسرے سیرت نگار بھی قابل ذکر ہیں۔ جن میں ایک الواقدی اور دوسرے اس کے شاگرد ابن سعد ہیں۔ مؤخر الذکر کی طبقات ابن سعد بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس تفصیل میں ہمارے مطلب کی بات یہ ہے کہ اس دور میں تصنیف و تالیف کا کام جو بھی تشکیل پذیر ہوا وہ اگرچہ روایت کے اصولوں کے تحت مرتب کیا گیا، مگر اس دور کی کتابوں میں ''سیرت نگاری'' فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین اصولوں کی پاسداری موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن ہشام کے مستند شارح عالمہ عبدالرحمٰن السہیلیؒ نے ''سیرت ابن ہشام'' کے مشکل الفاظ کی تشریح کو مستقل طور پر اپنایا ہے۔ بعد کے زمانے میں اگرچہ ''سیرت نگاری'' کا فن اپنے اسی لگے بندھے طریقے سے ہی جاری رہا، مگر پھر بھی بہت سی کتابیں ایسی مرتب کی گئیں جن کو بعد کے زمانے میں بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ جن میں مثال کے طور پر القسطلانیؒ کی ''المواہب'' اور الحلبی کی سیرت الامین المامون وغیرہ کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے، اس تمام بحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ عربی زبان میں سیرت نگاری کی ابتدا جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے فرمائی جن کا کلام ادب عالی کا بہترین نمونہ ہے۔

۲۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جب اس عنوان پر تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا تو ''سیرت نگاری'' نے ایک نئے دور میں قدم رکھا۔

۳۔ ''سیرت نگاری'' کو ادبی اعتبار سے ہر عہد کا ترجمان قرار دیا جا سکتا ہے مختصر طور پر یہ کہ ''سیرت نگاری'' نے بجائے خود ایک مخصوص قسم کا ادب پیدا کیا ہے۔ یہ ادب خود کفیل ہے، اس میں نظم بھی ہے اور نثر بھی۔ دونوں کا، خصوصاً عہد قدیم کے بزرگوں کے اقوال کا علمی اور ادبی پایہ بہت اعلیٰ ہے۔

۴۔ اس عنوان پر خصوصاً عربی میں جو کام ہوا اس کے ادبی پہلوؤں پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

اردو میں سیرت نگاری کا ارتقاء:۔

اردو زبان دنیائے اسلام کی ان زبانوں میں سے ایک ہے جن کی عمر تو بہت چھوٹی ہے مگر وہ مواد اور تصانیف کے اعتبار سے دنیا کی سب سے مقبول اور باثروت زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس کلیے کا اطلاق سیرت نگاری پر بھی ہوتا ہے۔ باوجود اپنی مختصر عمر کے اس زبان میں فن سیرت پر ایسی معیاری کتابیں تصنیف و تالیف کی گئیں جن کی مثال عربی سمیت کسی اور زبان میں موجود نہیں ہے اردو زبان میں معیاری کتب سے پہلے بے شمار مولود نامے اور نور نامے وغیرہ مرتب کئے گئے۔ جن مین موضوع اور کمزور روایات کی بھرمار ہوتی تھی، جس کی سید سلیمان ندوی مرحوم نے سات وجوہ گنوائیں ہیں۔ بہر حال وجود خواہ کچھ تھیں۔ ان مولود ناموں یا نور ناموں وغیرہ نے ہندوستان میں سیرت نگاری کے لئے موزوں ماحول تیار کیا، جس کے بعد یہاں بڑی معیاری کتابیں مرتب اور مدون کی گئیں۔ یہاں تصنیف کی جانے والی کتب سیرت میں سے سیکڑوں کتابوں کے نام آتے ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کا معیار اور ان کا انداز محل نظر ہے، مگر اس میں شک نہیں کے مولود ناموں اور نور ناموں کی قسم کی کتابوں نے ایک خاص ادبی ماحول پیدا کیا۔ چونکہ یہ کتابی محافل میلاد میں پڑھی اور سنی جاتی تھیں، اس لئے ان کا انداز بیان بڑا منفرد، الفاظ عمدہ اور جملوں اور الفاظ

کی ترکیبیں بہت موزوں ہوتی تھیں۔(۷) ان کتابوں اور رسائل نے نہ صرف یہ کہ سیرت کے موضوع سے عوام کی دل چسپی کو بڑھایا، بلکہ ان تصانیف نے ان کے لکھنے والوں اور سننے والوں کی ادبی تربیت بھی مہیا کی، اسلئے یہاں یہ رواج پیدا ہوا کہ ہر ایک ادبی اور افسانوی کتاب کی ابتدا حمد اور نعت سے کی جاتی تھی۔اس فہرست میں مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، امام بخش ناسخ لکھنوی، نواب محسن الملک، مولوی غلام امام شہید الہ آبادی، حکیم احسن امروہی، نواب صدیق حسن خان، مولانا اشرف علی تھانوی، خواجہ حسن نظامی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا مناظر احسن گیلانی اور دوسرے اہل قلم شامل ہیں۔ان کتابوں کا ایک خاص ادبی انداز تھا، جس پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

تاہم جب اردو میں باقاعدہ طور پر ''سیرت نگاری'' شروع ہوئی اور اس عنوان پر مستند اور محقق کتابیں تصنیف و تالیف کی جانے لگیں تو ان میں بھی ''ادبی پہلو'' کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔اس قسم کی تصانیف میں محمد عنایت احمد کاکوری کی کتاب تواریخ حبیب اللہ، سر سید احمد خان کی خطبات احمدیہ، علامہ راشد الخیری کی آمنہ کا لال، لکشمی پرشاد کی عرب کا چاند، مرزا حیرت دھلوی کی سیرت محمدیہ، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نشر الطیب، قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی رحمت للعالمین اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی النبی الخاتم ﷺ وغیرہ کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔جن میں سے ہر کتاب نے ایک خصوصی ادبی اور تحقیقی انداز متعارف کرایا۔تاہم اردو میں جو شہرت اور ناموری علامہ شبلی نعمانی اور علامی سید سلیمان ندوی کی ''سیرت النبی'' کے حصے میں آئی اور اس کتاب نے جس طرح نہ صرف اردو زبان بلکہ دوسری معاصری زبانوں کے ''سیرت نگاری'' کے ادب کو متاثر کیا۔اس کی کوئی اور مثال موجود نہیں ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت نگاری کے لئے جو ہلکا اور پھلکا ادبی اور تحقیقی انداز اپنایا اور جس کا ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندوی نے اتباع کیا اس نے اس میدان پر بڑے دوررس اثرات و نتائج

پیدا کئے ہیں۔ پھر علامہ شبلی نعمانی کا اسلوب عالمانہ ہونے کے باوجود سادہ اور دل کش ہے۔ اس میں قوت، جوش، خود اعتمادی برتری، صلاحیت، متانت وایجاز واختصار، برجستگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی کی کتاب خطبات مدراس بھی سیرت النبی ﷺ کے عنوان پر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ چوہدری افضل حق کی محبوب خدا، علامہ نور محمد کی سیرت رسول اللہ ﷺ عربی اور ڈاکٹر حمید اللہ کی ''خطبات بہاولپور'' وغیرہ کتب بھی ادبی اور علمی پہلو سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

مذکورہ بالا کتب کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی مرتب کردہ کتاب سیرت خیر الانام ﷺ کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا جس کی تصنیف وتالیف نامور محقق اور ادیب ڈاکٹر سید عبد اللہ کی نگرانی میں ہوئی اور جس کی تصنیف وتالیف میں ڈاکٹر حمید اللہ سمیت پاکستان اور بیرون پاکستان کے بہت سے اہل قلم نے حصہ لیا۔

میں نے اس تمام مواد کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مقالہ کے لیے انفرادیت قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی لیے سیرت طیبہ کے دو اہم پہلوؤں :

ا۔ مواخاۃ مدینہ

۲۔ میثاق مدینہ

کی بنیاد پر یہ تحقیق پیش کی ہے کہ آج بھی اصلاح معاشرہ کے لیے سیرت طیبہ ہی کی تعلیمات کو بنیاد بنا کر کسی بھی معاشرے کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔

میرا مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں بعثت سے قبل عربوں کی مذہبی و معاشرتی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی عالم گیر تاریکی کا تذکرہ کرتے ہوئے ھدایت کے لئے عرب کو مرکز بنانے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ کس طرح حضور اکرم ﷺ نے اس تاریک معاشرے کو نبوت کی کرنوں سے منور فرمایا اور زندگی کے تمام شعبہ جات میں اصلاح فرمائی۔

دوسرے باب میں عہد رسالت میں مواخاۃ کے عمل اور اسکے معاشرہ پر اثرات سے بحث کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ اس عمل نے مسلمانوں میں علاقائی امتیاز ختم کرتے ہوئے باہمی محبت واتحاد کی فضا پیدا کر دی۔

تیسرا باب میں میثاق مدینہ کے معاشرتی اثرات سے متعلق ہے کہ کس طرح میثاق مدینہ پر عمل درآمد نے اصلاح معاشرہ کا کام کیا۔

چوتھے باب کا تعلق حضور اکرم ﷺ کا یہود مدینہ کے ساتھ معاملات کے بارے میں ہے کہ یہود کی ریشہ دوانیوں کے باوجود آپ ﷺ ایک عرصہ تک مذہبی رواداری کا مظاہرہ فرمایا اور آخر کار ان کے معاملات ان ہی کی خواہش کے مطابق طے فرمائے۔

پانچواں باب اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ مواخاۃ اور میثاق مدینہ کے عمل کا مدینہ کے تعلیمی نظام پر مثبت اثر ہوا اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنھم کی اچھی خاصی تعداد نے اپنے آپ کو حصول و ترویج علم کے لیے وقف کر دیا جس سے معاشرے میں تعلیمی ماحول پیدا ہوا جس نے معاشرتی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا۔

میرے مقالہ کا چھٹا باب اس اعتبار سے انفرادی مقام کا حامل ہے کہ اس میں، میں نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ موجودہ دور میں جہاں ایک نئے عالمی نظام لانے کی بھر پور کوشش کی جا رہی ہے اور جس سے دنیا کے اکثر معاشرے خصوصاً مسلم معاشرے متاثر ہو رہے ہیں اس صورت حال

میں امت مسلمہ پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور وہ سیرت طیبہ کی راہ نمائی میں کس طرح اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار ادا کرسکتی ہے۔

اختتامیہ میں دراصل پورے مقالہ کا نچوڑ اور کتابیات میں صرف ان اہم کتب کو شامل کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی طرح میرے مقالہ کی تیاری میں معاون ثابت ہوئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی مدنی زندگی کے حوالے سے ضمیمہ جات بھی شامل کئے گئے ہیں۔

مقالہ کی English Summary بھی اس طرح پیش کی گئی ہے کہ پورے مقالہ کا تعارف کرادیا گیا ہے۔

میری کوشش رہی ہے کہ Quality کو Quantity پر ترجیح دوں اسی لئے میں نے اپنے آپ کو موضوع تک ہی محدود رہنے کی کوشش کی ہے۔

میری تحقیق کا بنیادی Credit میرے سپروائزر اور دور حاضر کے ایک ولی اللہ حضرت **پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد**، سابق پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سکھر، ایڈیشنل سیکریٹری وزارت تعلیم حکومت سندھ، بین الاقوامی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اور ادارہ مسعودیہ کراچی کے سرپرست اعلیٰ کے لئے ہے جو سیرت طیبہ اور تعلیمات اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے حوالے سے ایک Mobile Encyclopaedia ہیں۔ میں اپنے شوہر **محمد ہارون گوندل**، سسر **محمد نواز گوندل ایڈوکیٹ** کی ممنون ہوں کہ آپ نے اعلیٰ تعلیم جاری رکھنے پر مجھے بھرپور حوصلہ افزائی سے نوازا۔

میں اپنی والدہ **مہر رشید** کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میری دونوں بچیوں عائشہ اور اقصیٰ کی دیکھ بھال سے مجھے بے نیاز رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں والد محترم **پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید**، رئیس کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی کی عظمت کو سلام پیش کرتی ہوں کہ

آپ نے میری اور دیگر بہنوں کی تعلیم و تربیت میں لڑکیوں اور لڑکوں میں کبھی بھی امتیاز نہیں کیا۔ مجھے آپ کی بیٹی ہونے پر فخر ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ مجھے یہ توفیق عطا فرمائے کہ میں والد محترم کے اس علمی اور اصلاحی مشن کو پروان چڑھاؤں جس کی آبیاری وہ اپنے خون جگر سے گزشتہ 30 برس سے فرما رہے ہیں۔

میرا مقالہ اصلاح معاشرہ سے متعلق ہے اس لئے آخر میں شیخ الجامعہ، جامعہ کراچی __________ **پروفیسر ڈاکٹر ظفر سعید سیفی** کو خراج تحسین پیش کرنا اپنا فریضہ سمجھتی ہوں کہ آپ اس عظیم تر مادر علمی کی اصلاح کے لئے جس طرح کوشاں ہیں یہ آپ ہی کی ہمت ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ہی کے الفاظ میں

سیفی کہ غبارہ راہ ہے پائے رسول ﷺ کا
دونوں جہاں میں سکہ دام و درم ہوا

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

زینت رشید
۲۵ ربیع الاخر ۱۴۲۴ھ
جون ۲۶، ۲۰۰۳

حوالہ جات:

۱۔ قرآن، ۹۴:۴

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری۔ مصر، مطبعہ منیریہ، ۱۳۵۰ھ، باب بدؤالوحی۔

۳۔ ان تمام حضرات کی روایات مختلف کتب سیرت، خصوصاً کتب شمائل میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ۔ بیروت، دار صادر، ۱۹۵۷، ص ۱۵۴، جلد ۵۔

۵۔ مصطفیٰ بن عبداللہ (حاجی خلیفہ)۔ کشف الظنون۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۴۷، جلد ۲

۶۔ ایضاً، ص ۱۰۱۲، جلد ۲

۷۔ ایضاً

باب اوّل:

عرب قبل از بعثت

مذھبی، معاشرتی اور سیاسی جائزہ

مذہبی حالت:۔

عرب میں نہ صرف ہر قبیلہ، شہر اور ہر ہر علاقہ کا ایک خاص بت تھا بلکہ ہر گھر کا بت جدا تھا، کلبی کا بیان ہے کہ

''مکہ مکرمہ کے ہر گھر کا ایک بت تھا جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے، جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو حصول برکت کے لئے چھونا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکاً ہاتھ لگاتا'' (۱)

بتوں کے بارے میں بڑا غلو اور انہماک تھا، کسی نے تو ایک بت خانہ بنا رکھا تھا اور جو بت خانہ نہیں بنا سکتا تھا یا بت تیار نہیں کر سکتا تھا تو وہ

''حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے اردگرد اس شان سے طواف کرتا

جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے ان پتھروں
کو وہ انصاب کہا کرتے تھے۔''(۲)

خود خانہ کعبہ کے اندر (وہ خانہ کعبہ جو صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا) اور اس کے صحن میں ''۳۶۰ بت تھے''۔(۳) بتوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے یہ لوگ اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ پتھر کی قسم سے جو پتھر مل جاتا اسکو پوجتے، بخاری میں ابورجاء العطاء روی سے روایت ہے کہ

''ہم لوگ پتھر کو پوجتے تھے، اگر کوئی اس سے اچھے قسم کا پتھر
مل جاتا تو اس کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لے لیتے اور اگر پتھر
نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لا کر
دوھتے، پھر اسی کا طواف کرتے''۔(۴)

اسی طرح اگر

''کوئی شخص سفر میں کسی نئے مقام پر اترتا تو چار پتھر لے آتا،
جو پتھر اس کو اچھا معلوم ہوتا اس کو معبود قرار دیتا اور باقی تین
پتھروں کو اپنی ہانڈی کا پتھر بناتا اور جب وہاں سے جاتا تو
سب پتھروں کو چھوڑ جاتا۔''(۵)

معبودوں کی کثرت اور اخلاقی و اجتماعی امراض:۔

مشرکوں کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے وہی حال عرب کا تھا۔ان کے متعدد اور مختلف معبود تھے جن میں فرشتے، جن، ستارے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ

''یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے ان سے شفاعت کے طلبگار
ہوتے ،ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے ،جنوں کو
اللہ شریک کار سمجھتے ،ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان
رکھتے اور ان کی پرستش کرتے ۔(۶)

شراب کی دوکانیں سرراہ تھیں اور علامت کے طور پر ان پر پھریرا لہراتا رہتا تھا۔ جوا جاہلی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا پست ہمتی اور مردہ دلی کی دلیل تھی۔ مشہور تابعی قتادہ کا بیان ہے کہ

''زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤ پر رکھ دیتا تھا
پھر لٹا ہارا حسرت سے اپنے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں
دیکھتا اس سے نفرت وعداوت کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی
نوبت آتی۔''(۷)

حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود در سود کا معاملہ کرتے اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کا مظاہرے ہوتے۔زنا کو کچھ زیادہ معیوب بات نہ سمجھا جاتا اور اس کے واقعات عربوں کی زندگی میں کمیاب نہ تھے اس کے بہت سے اقسام اور طریقے رائج تھے، پیشہ ور عورتوں کے اڈے موجود تھے اور شراب خانوں میں بھی اس کا انتظام تھا۔

عرب معاشرہ :۔

عرب معاشرہ مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا ایک خاندان دوسرے سے اپنے کو بلند و برتر سمجھتا تھا۔بعض خاندان دوسرے خاندانوں یا عام انسانوں کے ساتھ بہت سی رسوم وعادات میں شرکت پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ حج کے بعض مناسک میں قریش عام حجاج سے الگ تھلگ اور ممتاز رہتے تھے،عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا عار کی بات سمجھتے تھے۔

اسی طرح ایک طبقہ پیدائشی آقاؤں کا تھا ایک طبقہ کم حیثیت لوگوں کا جس سے بیگار لیا جاتا اور کام پر لگایا جاتا، کچھ عوام اور بازاری لوگ تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عرب فطرۃ جنگجو واقع ہوئے تھے اور ان کی صحرائی اور غیر تمدن زندگی کا تقاضا بھی یہی تھا، جنگ ان کے لئے زندگی کی ایک ضرورت سے آگے بڑھ کر تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل ہو گیا تھا، یہاں تک کہ اگر کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لئے لوگ حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں اور ہمہ وقت اس خواہش کا اظہار کرتے رہتے کہ

ترجمہ:

''میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اس قبائل میں جنگ
کی آگ بھڑکا دے تا کہ مجھے اپنے گھوڑے اور اپنی تلوار کے
جوہر دکھانے کا موقع ملے۔'' (۸)

جنگ کرنا اور خون بہانا ان کیلئے معمولی کام تھا، جنگ کو بھڑکانے کے لئے معمولی واقعات کافی تھے۔وائل کی اولاد، بکر وتغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ جاری رہی جس میں پانی کی طرح خون بہا،ایک سردار مہلہل نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ'' دونوں خاندان مٹ گئے،

ماؤں نے اپنی اولاد کھوئی بچے یتیم ہوئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں۔ پورا جزیرہ عرب گویا شکاری کا جال تھا کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائیگا اور کب دھوکہ سے قتل کر دیا جائیگا، لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچک لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ:

> ''عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں اور سفارتوں کیلئے چوکی پہرہ کے ساتھ ساتھ قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی۔''(۹)

عربوں کی مذہبی و معاشرتی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سیاسی و معاشی نقشہ پر خصوصی نظر ڈال لی جائے کیونکہ دینی و اخلاقی اور اجتماعی ترقی و انحطاط میں سیاسی و معاشی حالات اور رائج الوقت سیاسی و معاشی تصورات اور قوانین کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے اور وہ قومی زندگی کی تعمیر و تشکیل کے ایک اہم و فعال عنصر کے طور پر کام کرتا ہے۔

سیاسی حالت :۔

زمانہ جاہلیت میں خالص آمرانہ حکومت کا دور دورہ تھا۔ اس زمانہ کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی جیسا کہ ایران میں تھا، اور آل ساسان یہ عقیدہ تھا کہ حکومت پر ان کا موروثی حق ہے اور انہیں تائید الٰہی حاصل ہے، عام رعایا کو بھی پوری پوری کوششیں کر کے اس کا یقین دلایا گیا تھا، چنانچہ انہوں نے بھی اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا اور حکومت کے بارے مین ان کا یہی عقیدہ ہو گیا تھا جو کبھی متزلزل نہیں ہوتا تھا۔

کبھی یہ بادشاہت محض سلاطین کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، اہل چین اپنے بادشاہ کو ''شہنشاہ فرزند آسماں'' کہتے تھے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھ کہ آسمان ''نر'' ہے اور زمین ''مادہ'' اور کائنات کو انہی دونوں نے جنم دیا ہے۔ اسی بنا پر شاہ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا، اس کو حق تھا کہ جو

چاہے کرے، لوگ اس سے کہتے تھے کہ " آپ ہی قوم کے مائی باپ ہیں" شہنشاہ لی یان یا تائی تسنگ جب مرا ہے تو اہل چین نے سخت ماتم برپا کیا اور حد سے زیادہ غم کیا، کسی نے سوئیوں سے اپنا چہرہ خون آلود کیا، کسی نے اپنے بال کاٹے کس نے جنازہ سے اپنے کان مار مار کر زخمی کر لئے۔

روم میں بادشاہت کسی خاص گروہ یا کسی مخصوص وطن کا حق سمجھتی تھی رومیوں کا عقیدہ تھا کہ رومی قوم ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی اور ہر ایک کی عزت و ناموس پامال کر سکتی تھی۔ اسی لئے وہ ہر ظلم و ستم کو جائز سمجھتی تھی لہذا رومیوں کا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہو کر اور حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی قوم یا فرد رومیوں کے ظلم و ستم سے بچ نہیں سکتا تھا، کسی قوم کو حکومت خود اختیاری یا اندرونی خود مختاری کا حق نہیں تھا اور نہ اس کا موقع تھا کہ اپنے ملک میں اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکے، ان محکوم قوموں اور مفتوح ملکوں کی مثال اس اونٹنی کی سی تھی جس پر بوقت ضرورت سواری کی جاتی اور اس کا دودھ دوہا جاتا اور صرف اسی قدر اس کو چارہ دیا جاتا جو اس کی پیٹھ کو مضبوط اور تھن کو دودھ سے بھرا رکھ سکے۔

Robert Briffiault کے مطابق :

ترجمہ:

''رومی سلطنت کی تباہی کا سبب وہاں کی بڑھتی ہوئی خرابیاں
(مثلاً رشوت وغیرہ) نہ تھیں، بلکہ اصل برائی اور بنیادی خرابی
فساد و شر اور حقائق سے گریز کی عادت تھی جو اس سلطنت کے
قیام و نشو و نما میں پہلے ہی دن سے موجود تھی، یہ خرابی سلطنت
کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی۔ کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب کبھی
اس طرح کی کمزور اور کج بنیاد پر کی جائیگی تو اس کے گرنے

سے صرف ذہانتیں اور عملی سرگرمیاں نہیں بچا سکتیں، اور
چونکہ خرابیوں ہی پر اس سلطنت کی بنیاد تھی اس لئے اس کا
خاتمہ اور زوال بھی ضروری تھا کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ رومی
سلطنت صرف ایک چھوٹے سے طبقہ کے عیش اور راحت
رسانی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی
اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کو غذا پہچانا اس حکومت
کا کام تھا، بلا شبہ روم میں تجارت امانت داری اور انصاف
کے ساتھ جاری تھی۔ اس سے بھی انکار نہیں کہ حکومت اپنی
طاقت وقابلیت میں نیز اپنے عدالتی نظام میں ممتاز تھی۔ لیکن
یہ تمام خوبیاں حکومت کو تباہی سے نہیں بچا سکتی تھی اور نہ
اساسی غلطیوں کے تحت انجام سے محفوظ رکھ سکتی
تھیں''۔(۱۰)

اسی طرح Dr. Alferd Butler حکومت کے بارے میں اپنے تاثرات تحریر کرتے ہوئے
واضح کرتا ہے کہ:

ترجمہ:

'' مصر میں رومی حکومت صرف ایک ہی غرض وغایت اپنے
سامنے رکھتی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو رعایا سے
مال لوٹ کھسوٹ کر حکام کو فائدہ پہنچایا جائے، رعایا کی
بہبودی اور خوشحالی اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کا

خیال تک نہیں آتا تھا رعایا کی تہذیب اور اخلاق کو درست کرنا اور ترقی دینا تو بڑی چیز ہے، ملک کے مادی وسائل کو ترقی دینے کی بھی اس کو فکر نہ تھی، مصر پر ان کی حکومت ان پردیسیوں کی سی تھی جو صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کرتی ہے اور محکوم قوم کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی''۔(۱۱)

رومی حکومت کے اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ابتداء میں رومیوں کا شامیوں کے ساتھ اچھا اور منصفانہ برتاؤ تھا اگرچہ ان کی سلطنت میں اندرونی خلفشار تھا لیکن جب ان کی حکومت بوڑھی ہوگئی تو اس نے بدترین قسم کی غلامی کی شکل اختیار کر لی اور بدترین معاملہ جو غلام اور رعیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اس نے اپنی محکوم رعایا کے ساتھ کیا، وہ روم نے براہ راست شام کا بھی الحاق نہیں کیا اور شام کے باشندوں کو کبھی بھی رومیوں کی طرح شہری حقوق حاصل نہیں ہوئے، نہ ان کے ملک کو رومی سلطنت اور سرزمین کا درجہ ملا شامی ہمیشہ غریب الوطن افراد کی طرح رعایا بن کر رہے، اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لئے، اپنی اولاد کو بیچ دینے پر مجبور ہوئے مظالم کی زیادتی تھی، غلام بنانے اور بیگار لینے کا عام

رواج تھا، اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کئے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں۔(۱۲)

نہ صرف رومیوں بلکہ یونانیوں کا بھی عرب رعایا کا بھی عرب رعایا کے ساتھ برتاؤ انتہائی نامناسب تھا۔اس کی وضاحت حسب ذیل الفاظ میں کی جاسکتی ہے:

رومیوں نے شام پر سات سو سال تک حکومت کی، ان کے آتے ہی ملک میں اختلافات، خودسری اور تکبر کی بنیاد پڑ گئی تھی اور قتل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، یونانیوں نے شام پر ۳۶۹ سال حکومت کی، اس پورے عہد حکومت میں بڑی سخت جنگیں ہوئیں رعایا پر مظالم ہوئے اور یونانیوں کے حرص وہوس کی پوری کیفیت کھل کر ظاہر ہوگئی شامی قوم پر ان کی سلطنت بد ترین نحوست اور سخت ترین عذاب تھی''۔(۱۳)

غرضیکہ غیر ملکی سامراج کے ہاتھوں عرب کے بعض ممالک انتہائی تکلیف ومصیبت میں تھے جس سے ان کی سیاسی، مالی اور معاشرتی حد درجہ ابتری کی حالت میں تھی۔

اہل عرب کے پڑوسی ممالک کی حالت:

اس دور کی اہم سلطنتوں، روم وایران دونوں جگہ عام طور سے لوگوں پر عیش پرستی کا بھوت

سوار تھا مصنوعی تہذیب اور پرفریب زندگی کا سیلاب امنڈ آیا تھا جس میں وہ سر سے پاؤں تک غرق تھے، سلاطین روم اور شاہان ایران اور ان کے امراء و روٗسا خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ لذت اندوزی کے سوا انہیں کسی بات کی فکر نہ تھی، تکلفات زندگی تعیّشات اور سامان آرائش کی وہ بہتات تھی اور اس میں ان باریکیوں اور نکتہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

''کسریٰ پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں، پچاس ہزار اصیل گھوڑے اور اس قدر سامان تعیّش محلات، نقد و جواہرات تھے کہ ان کا اندازہ مشکل ہے اس کا محل اپنی شان و شکوہ اور عظمت میں جواب نہیں رکھتا تھا''(۱۴)

اس دور کے حکمران اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے عرب ممالک ہی سے کسی نہ کسی انداز سے دولت حاصل کرتے تھے

''تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے ان شاہان ایران کی طرح داد عیش دی ہو جن کے پاس تحائف اور خراج کی رقمیں ان تمام شہروں سے آتی تھیں جو شرق اوسط اور مشرق اقصیٰ کے درمیان واقع تھے''۔(۱۵)

اسلامی فتوحات کے بعد جب ایرانی عراق سے بےدخل ہوئے تو انہوں نے وہ اندوختہ چھوڑا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، ان چھوڑے ہوئے سامانوں میں بیش قیمت جوڑے، طلائی ظروف، سنگار کا سامان، عطریات وغیرہ تھے۔طبری کی روایت ہے کہ عربوں کو مدائن کی فتح میں ترکی خیمے ملے جو سربمہر ٹوکروں سے بھرے ہوئے تھے، عرب کہتے ہیں کہ ہم سمجھے کہ اس میں کچھ کھانے کا

سامان ہوگا کھولنے سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے برتن ہیں۔ اسی طرح فرش بہار (جس پر بیٹھ کر امراء ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے) کا نقشہ کچھ یوں کھینچا گیا ہے۔

> اس کی زمین سونے کی تھی، چمن میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گلکاری تھی، پھولدار اور پھل دار درخت قائم تھے، درختوں کی لکڑی سونے کی پتے حریر کے، کلیاں سونے چاندی کے، اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے، اردگرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھی اور یہ سب جواہرات کی تھیں، موسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ نظر آتا جو زمانہ نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا۔ (۱۶)

شام پر حکومت کرنے والے رومی اور ان کے مقامی امراء کا حال یہ تھا کہ ان کے عالی شان محل دیوان اور نا و نوش کی مجلس عیش پسندی اور نفاست میں بہت آگے نکل چکے تھے، جبلہ غسانی کی مجلس کا یہ حال تھا کہ

> ''اس کی دس باندیاں تھیں جن میں پانچ روم کی تھیں جو بربط پر گاتی تھیں اور پانچ وہ تھیں جو اہل حیرہ کے دہن میں گاتی تھیں، جنھیں عرب سردار، ایاس بن قبیصہ نے تحفہ بھیجا تھا، اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گویوں کی ٹولیاں جاتی تھیں جبلہ، جب شراب نوشی کے لئے بیٹھتا تو

اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول چنبیلی جوہی وغیرہ
بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک و
غیرہ لگائے جاتے، چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص
لایا جاتا اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود جلایا جاتا اور گرمیوں کا
موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے ہمنشینوں کیلئے
گرمیوں کا لباس آتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتے۔
جاڑوں میں سمور، قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر
کئے جاتے''۔(۱۷)

والیان ریاست، شاہزادے، امراء، اونچے گھرانوں کے افراد نیز متوسط طبقہ کے لوگ بادشاہوں کے نقش قدم پر چلنے اور کھانے پینے، پوشاک اور طرز رہائش میں ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے اور ان کے عادات واطوار اختیار کرتے، معیار زندگی بہت ہی زیادہ بلند ہو گیا تھا اور معاشرت بہت زیادہ پیچیدہ بن گئی تھی، ایک ایک شخص اپنی ذات پر اور اپنے لباس کے کسی ایک حصہ پر اس قدر خرچ کرتا تھا جس سے پوری ایک بستی کی پرورش ہو سکے یا جو پورے ایک گاؤں یا آبادی کی پوشاک اور ستر پوشی کے مصارف کے لئے کافی ہو، ایسا کرنا ہر ایک ممتاز اور شریف آدمی کے لئے ناگزیر تھا۔
کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سوسائٹی میں انگشت نمائی ہوتی اور وہ اپنے ہمنشینوں میں ذلیل ہوتا یہاں تک کہ یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت اور سوسائٹی کا ایک قانون بن گیا جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی، صورت حال یہ تھی کہ

''اہل ایران اپنے سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے وہ ان کی

حیثیت کے مطابق ہوتی تھی جو انہیں اپنے قبیلہ میں حاصل
تھی۔ چنانچہ جو اپنے قبیلہ میں شرافت وعزت کے لحاظ سے
معیاری ہوتا تھا اس کی کلاہ ایک لاکھ کی قیمت کی ہوتی تھی ہر
مزکا شمار انہیں افراد میں تھا جس کی قیادت تسلیم شدہ تھی،
لہذا اس کی کلاہ ایک لاکھ کی تھی جس میں جواہرات جڑے
ہوئے تھے۔"(۱۸)

اسی طرح ایران کی مشہور شخصیت

"رستم کی کلاہ ستر ہزار میں فروخت ہوئی تھی۔"(۱۹)

لوگ اس انتہا پسندانہ معاشرت اور اس کے تباہ کن لوازم وضروریات کے اس طرح عادی ہوگئے تھے اور یہ تمدن ان کے رگ وپے میں اس طرح سرائیت کر گیا تھا کہ یہ تکلفات ان کی طبیعت ثانیہ بن گئے تھے۔ اور ان سے علیحدہ ہونا ان کے لئے ناممکن سا ہوگیا تھا۔ نازک سے نازک وقت میں اور مجبوری کی حالت میں بھی سادہ زندگی اور نیچی سطح پر اتر آنا ان کے لئے دشوار تھا۔

مدائن کی فتح کے وقت شہنشاہ ایران یزدگرد جس بے سروسامانی اور پریشانی میں دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مگر اس عجلت وپریشانی میں بھی وہ اپنے ساتھ جو سامان لے گیا ہے اس سے اس ذہنیت اور معیار تمدن کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

" یزدگرد اپنے ہمراہ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار
گوئیے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، اور بہت سے دوسرے

لوگ لیتا گیا، اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم
تھی''۔(۲۰)

ہرمزان شکست کھانے کے بعد جب پہلی بار مدینہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس نے پانی مانگا، پانی ایک موٹے سے پیالے میں لایا گیا، اس نے کہا کہ

''چاہے میں پیاسا مر جاؤں مگر اس بھدے پیالہ میں پانی
پینا میرے لئے ممکن نہیں، چنانچہ اس کیلئے تلاش کر کے دو
سرے برتن میں پانی لایا گیا جس کو وہ پی سکا''(۲۱)

ان واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایرانیوں کی عادتیں کس قدر بگڑ گئی تھی اور وہ مصنوعی زندگی اور تکلفات کے کس قدر عادی اور سادہ اور فطری زندگی سے کس قدر دور ہو چکے تھے۔

ارباب حکومت کی رعایا سے مال کی وصولیابی:۔

اس عیش پسند زندگی کا لازمی نتیجہ تھا کہ ٹیکسوں میں اس قدر اضافے ہو جائیں، جو رعایا کیلئے ناقابل برداشت ہوں، نئے نئے قوانین بنائے جائیں جن کی رو سے کسانوں، تاجروں ، کاریگروں اور اہل حرفہ سے زیادہ سے زیادہ مال گھسیٹا جا سکے نوبت یہاں تک پہنچی کہ آئے دن کے ان اضافوں اور بھاری بھاری ٹیکسوں نے رعایا کی کمر توڑ دی اور حکومت کے مطالبات سے ان کی پیٹھ بوجھل ہوگئی۔ رعایا سے وصولیابی کا یہ حال تھا کہ

''باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی
دستور تھا جس کو آئین کہتے تھے اسی آئین کے مطابق عید

نوروز اور مہرجان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کیے جاتے تھے۔خزانہ شاہی کے ذرائع آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم ذریعہ جاگیر ہائے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے جو بادشاہ کے لئے حقوق خسروی کے طور پر مخصوص تھے،مثلاً فارنگیوں (علاقہ) آرمینیہ کی سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی تھی''۔(۲۲)

رومی حکومت کے طرزِ عمل اور اس کی آمدنیوں کی یہ صورت تھی کہ

''شامی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ سرکاری خزانے میں جمع کراتے اس کے ساتھ ساتھ،فی کس ایک رقم مقرر تھی جس کا ادا کرنا لازمی تھا اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے اہم ذرائع آمدنی تھے،مثلاً چنگی،کانیں،محاصل،گندم کی کاشت کے قابل قطعات اور،چراہ گاہیں یہ سب ٹھیکہ پر اٹھا دی جاتیں ان ٹھیکہ داروں کو''عشارین'' کہتے تھے۔یہ لوگ حکومت سے وصولیابی کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے،ہر صوبہ میں ان ٹھیکہ داروں کی متعدد کمپنیاں قائم تھیں ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی اور مختص ملازم

تھے جو اپنے آپ کو افسروں اور مالکوں کے انداز میں پیش کرتے،اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے،اور اکثر ان کو غلاموں کی طرح فروخت بھی کر دیتے۔(۲۳)

غرضیکہ روم وایران دونوں مملکتوں میں اہل ملک دو علیحدہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے،ان دونوں طبقوں کے درمیان واضح اور بین فرق تھا،ایک طبقہ بادشاہوں،شاہزادوں،ان کے خاندانوں،عزیزوں اوران کے متعلقین و وابستگان اور جاگیرداروں اور دولتمندوں کا تھا۔یہ لوگ سدا بہار پھولوں کی سیج پر زندگی گزارتے،ان کے گھر کے لوگ اور بچے سونے چاندی سے کھیلتے اور دودھ گلاب میں نہاتے یہ اپنے گھوڑوں کی نعلیں بھی جواہرات سے جڑتے اور درودیوار کو بھی ریشم وکمخواب سے سجاتے تھے۔

دوسرا طبقہ کاشتکاروں، کاریگروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا، جس کی زندگی سراپا کلفت ومصیبت تھی، یہ زندگی کے بوجھ،ٹیکسوں اور نذرانوں کے بار سے کچلے جارہے تھے ان کا جوڑ جوڑ اور بند بند مطالبات کے اندر جکڑا ہوا تھا۔وہ اس جال کو توڑنے کی کوشش بھی کرتے اور جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے وہ جال اور کس جاتا اس کٹھن اور پر مصیبت زندگی پر دوسری مصیبت یہ تھی کہ وہ اونچے طبقہ کے بہت سی باتوں میں نقل اتارنے کی کوشش بھی کرتے جس سے اور زیادہ پریشان ہوتے،ضروریات زندگی کی فراہمی میں ان کو دقت اور پریشانی لاحق نہ ہوتی جو اس اونچے طبقے کی ریس کرنے میں ان کو پیش آئی،اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان زندگی تلخ اور سراپا کوفت تھی۔ان کا دماغ ہر وقت پریشاں وپراگندہ رہتا اوران کو حقیقی سکون اور اطمیناں قلب کبھی میسر نہ آتا۔

صالح معاشرہ کی عدم موجودگی:۔

خلاصہ یہ کہ ساتویں صدی مسیحی میں روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جا سکے، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو، اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم اور حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو، اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو، اور ان کی تعلیمات وخصوصیات کا حامل ہو اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کبھی روشنی نظر آ جاتی تو اس کی حیثیت ایسی ہی ہوتی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہو صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال پائے جاتے تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبعیت نوجوان سلمان فارسی کو جو اپنے قومی ونسلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و مایوس ہو چکا تھا اور حق وصداقت کا جویا تھا ایران سے لے کر شام کی آخری حدود تک اپنے طول وطویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن سے اسکی روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوا اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستے پر قائم تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی جلیل القدر تصنیف، میں ماقبل اسلام کی اس صورت حال کی پوری تصویر کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> ''صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے آخرت کو یکسر بھولنے اور شیطان کے پورے اثر میں آ جانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان آرائش میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی، اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کر

نے کی کوشش کرتے تھے۔ دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مر
کزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے
تھے جو اس سامان آرائش راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے
تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع
ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی
تھیں۔ اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا زندگی کا معیار اتنا بلند
ہو گیا تھا کہ امراء سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باند
ھنا اور تاج پہننا سخت معیوب سمجھا جاتا تھا، اگر کسی کے پاس
عالی شان محل، نوادر، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار
جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات
اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم نشینوں میں اس کی
کوئی عزت نہ ہوتی۔ (۲۴)

حضرت شاہ ولی اللہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے۔ اسکی وجہ سے ایک ایسا لا علاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا ہر شہری پر یہ پر تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا، اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا، بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور رقمیں اور بے پایاں دولت کاشتکاروں، تاجروں

اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتی اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے جن سے آب پاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جاتا اور صرف خدمت کرنے کیلئے ان کو پالا جاتا ہے اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پر مشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت آخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی۔ بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔

عرب کا محل وقوع اور ہدایت عامہ کے لئے عرب کو مرکز قرار دینے کی وجہ:۔

اگر عرب کو کرہ ارض کے نقشہ پر غور سے دیکھا جائے تو اس کے محل وقوع (۲۵) سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسے ایشیا، یورپ و افریقہ کے براعظموں کے وسط میں سے جگہ دی ہے۔ اور وہ خشکی و تری سے دنیا کو اپنے داہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے، اس لئے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت اعلیٰ کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لئے جگہ کے انتخاب کے لئے تو عرب ہی اس کے لئے موزوں ہے، خصوصاً جب افریقہ، یورپ اور ایشیا کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا تو عرب کی آواز ان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ رب العالمین نے (جہاں تک میں سمجھتی ہوں) اسی لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں پیدا کیا اور انکو بتدریج قوم، ملک اور جہاں بھر کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔

خلاصہ بحث:۔

خلاصہ یہ کہ ساتویں صدی عیسوی میں روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی تھی ، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو اور نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو۔

اس عالمگیر تاریکی اور فساد کا نقشہ قرآن کریم نے جس طرح کھینچا ہے اس سے بہتر ممکن نہیں۔

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی
الناس لیذ یقهم بعض الذی عملوا لعلهم
یر جعون (۴۶)

ترجمہ:
خرابی پھیل گئی ہے خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے
نتیجے میں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھادے
اور وہ باز آجائیں۔

عربوں اور اس دور کی اہم حکومتوں کے احوال کے بعد یہ نتیجہ نکالنا کوئی مشکل نہیں کہ دنیا بھر کے معاشرے کی اصلاح کی اشد ضرورت تھی اور یہ ضرورت ایک ایسی ہی ہستی کے ذریعہ ممکن تھی جو انسانیت کے لئے ہر اعتبار سے ایک مثال ہو۔ لہذا رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کو مبعوث فرمایا جن کی رحمت نے انسانیت کو اس کا صحیح مقام عطا کر دیا اسی لئے تو حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انسان کامل، خاتم النبین ، حضرت محمد ﷺ کی ان الفاظ میں مدح فرمائی۔

واحسن منك لم ترقط عينى

واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرا من كل عيب

كانك قد خلقت كما تشآء

حوالہ جات

۱۔ ھشام بن محمد کلبی۔ کتاب الاصنام۔ (تحقیق احمد زکی پاشا) تہران، تابان پریس، ۱۹۷۰ء، ص ۳۳

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا

۴۔ ایضا

۵۔ ایضا، ص ۴۴

۶۔ ایضا، ص ۳۴

۷۔ صاعد اندلسی۔ طبقات الامم۔ قاہرہ، مطبعۃ الاستقامہ، ۱۳۷۸ھ، صفحہ ۴۳۰

۸۔ ایضا، ص ۴۵۵

۹۔ ایضا، ص ۴۷۲

۱۰۔ Robert Briffault, The Making of Humanity, P - 159

۱۱۔ Arab Conquest of Egypt and the last thirty years, the Roman Domanion, P - 42

۱۲۔ ندوی، ابوالحسن علی۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ کراچی، مجلس نشریات، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۱

۱۳۔ ایضا

۱۴۔ ایضا

۱۵۔ ایضا

۱۶۔ طبری، ابن جریر۔ تاریخ طبری۔ مصر، دارالمعارف، ۱۹۶۱ء، ص ۱۳۳، جلد ۲

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ندوی، ابوالحسن علی۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص ۸۷ تا ۹۲ بحولہ بالا

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغۃ۔ کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء، باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم،

۲۵۔ کرہ ارض پر آباد دنیا کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض بلد اور شمال مین زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجہ تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ اور نصف ۶۰ ہوا۔ جب ۶۰ کو ۸۰ درجے شمالی سے تفریق کریں تب ۲۰ رہ جاتے ہیں۔ اور جب ۶۰ میں سے ۴۰ درجہ جنوبی کو فریق کردیں تب بھی ۲۰ (درجہ شمالی) رہ جاتے ہیں۔ اور مکہ معظمہ ۲/۱ ۲۱ درجے پر آباد ہے اس لئے کل کرہ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے نیز مکہ کا نام لغات کی کتابوں نافِ زمین ہے۔ انسان کے جسم میں نافہ بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی بلکہ قریبا وسط میں ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکہ وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہوا ہے۔ ڈیڑھ درجہ کا تفاوت ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ مکہ ناف زمین ثابت ہو۔

(ب)۔ عرب ۱۵ سے ۳۵ درجہ ہائے عرض بلند (شمالی) پر واقع ہے۔ اور انہی خطوط کے اندر دنیا کی تمام مشہور نسلیں اس طرح مقیم ہیں کہ مشرق میں آریہ و منگول اور مغرب میں حبشی و ہامائٹ

(نسل عام) اور ریڈ انڈینز (امریکہ کے اصلی باشندے) اور جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہنچانا مدنظر ہوتو عرب ہی اس کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔ غالباً اس لئے بھی قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ:

وجعلنکم امة وسطا لتکونوا شهداء (۲۶)

ترجمہ:

ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے تاکہ قوموں کے سامنے تم
خدا کی شہادت اختیار کرو۔

۲۶۔ قرآن، ۴۱:۳۰

باب دوم :

قیام امن کی ابتدا ______ حضور ﷺ کی مکی و مدنی زندگی کے تناظر میں

Prophet Muhammad (SAWS) peace Initiatives : life Makkah and Madina Perspective

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کا عالمی نظام :۔

ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہونے کے باوجود نسل انسانی قدیم زمانے میں معاشی ضرورتوں کے لیے منتشر ہوتی رہی۔ یہ منتشر گروہ الگ الگ بستیوں شہروں اور ملکوں میں رہنے لگے۔ اس لیے ہر نبی اور مصلح بھی قومی ہوتے نہ کہ عالمگیر اور بین الاقوامی اور ان کی تعلیمات اپنی اپنی قوموں تک محدود ہوتی تھی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

ولقد ارسلنا من قبلک رسلا الی قومہم. (۱)

اور ہم نے آپ سے پہلے انبیاء کو صرف ان کی قوموں کی
طرف ہی مبعوث کیا۔

انسانیت کے لیے عالمیت کی ضرورت آہستہ آہستہ ہی پیدا ہوئی۔ (۲) اس وقت یہ احساس ہوا کہ اب نبی بھی مختص المکان اور مختص الزمان ہونے کے بجائے عالمی اور بین الاقوامی ہو۔

یونان فصاحت و بلاغت کے دریا بہا چکا تھا۔ دنیا کو اس کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لیے حکمت وفصاحت سے ایک بہتر اور بلند تر نمونے کی ضرورت تھی۔ روم نے قانون سازی میں کمال پیدا کیا ہوا تھا۔ اور رسول عربی ﷺ کی پیدائش سے پانچ سال قبل فوت ہونے والے شہنشاہ جسٹینین نے رومی قوانین کے تدوین کا کارنامہ سرانجام دلا کر دنیا کو ایک چیلنج دے دیا تھا کہ اس سے بہتر کوئی قانون لاؤ۔ اسی طرح ہندوؤں، مصریوں اور ایرانیوں نے بھی ایسے کارنامے چھوڑے جن سے خاص خاص شعبوں میں انسانی ذہنیت پر ان کی برتری مسلم ہو چکی تھی۔ اور ضرورت تھی کہ انسانی ذہن کی صحت مند بیداری کو کچلنے والے موانع کو دور کر دیا جائے اور انسان کو عقل، فکر، نظر، بصر، تفقہ، تدبر، شعور اور علم وغیرہ سے خود کام لینے پر آمادہ کیا جائے۔ اس دور کے بین الاقوامی حالات تقاضا کر رہے تھے کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں اور ملک وار، قوم وار، نسل وار اور ایسے ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانی دنیا کے لیے ایک ایسا بنیادی مذہب پیش کیا جائے جو زماں ومکاں کے فرق سے بالا اور ذاتوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمے داریاں عطا کر کے نوع بشری کے تخلیق کی اصل غرض وغایت کو پوری کرنے کا انتظام کیا جائے۔ (۳)

رسول ﷺ کی بعثت:۔

انہی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک نئے جامع اور کامل پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے اور رسول محمد ابن عبداللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

وَ مَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا. (۴)

اے رسول ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف خوشخبری

سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اس عالمی حیثیت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو پیغام الٰہی ساری دنیا تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی سونپی چنانچہ ارشاد ہوا:

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا.(۵)

آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف

اللہ کا رسول ہوں۔

رسول ﷺ کی بعثت کے لئے جزیرۃ العرب کا انتخاب:۔

جزیرہ نما عرب کو دنیا کے نقشے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ اگرچہ ایشیا میں لیکن افریقہ اور یورپ سے بہت قریب ہے۔ دونوں براعظموں سے قریب ترین ہونے اور متمدن ترین دنیا یعنی ایران، حبش اور یونان کے بیچ میں ہونے کے باعث عرب کو دنیا کے مرکز کا اور عرب سے بھی مرکز مکہ معظمہ کا ناف زمین کا نام دیا گیا تھا۔(۶)

آب وہوا انسانی طبعیت پر بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ سرد ممالک والوں کی ذکاوت، پہاڑی اور صحرائی لوگوں کو جفاکشی زرخیز ممالک والوں کی تمدنی ترقیاں وغیرہ مسلمہ قانون قدرت پر مبنی ہے۔ ایک محدود رقبے کے اندر مکے کی وادی غیر ذی ذرع، طائف کی قابل رشک زمین میں شام وروم کی ختنیاں اور مدینے کی زرخیزی وغیرہ کا ایسا اجتماع حجاز میں عمل میں آیا کہ اس کی مثال پوری دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی۔(۷)

عرب خاص کر حجاز کے لوگوں نے اپنی ذہنی قوتیں کسی کام میں خرچ نہ کی تھیں۔ نپولین کے استنباط کے مطابق ان میں جفاکشی، جاں فروشی، صبر وضبط، مستعدی، سادگی اور اسی طرح کے دیگر بلند کردار جو ترقی کرنے والی قوموں میں ضروری ہوئے ہیں خوب پرورش پا چکے تھے۔ ان کی زبان بھی دیگر ہم عصر زبانوں پر تفوق رکھتی تھی اور عہد نبوی میں ہی اتنی ترقی کر چکی تھی کہ پھر بھی نہ اس کی صرف ونحو کا

بدلا گیا اور نہ ہی تلفظ کو املا، کو اور چودہ صدیاں پہلے مسجد نبوی کے ممبر پر رسول اللہ ﷺ جس زبان سے لوگوں کو مخاطب فرماتے تھے۔ بخارا و سمرقند سے لے کر اقوام متحدہ کے ایوانوں تک آج بھی کروڑوں انسان اسی زبان میں لکھتے، بولتے اور پڑھتے ہیں۔ جب کہ یہ خصوصیت کسی بھی دوسری بین الاقوامی زبان بشمول انگریزی اور فرانسیسی میں نہیں ہے۔(۸) یہ تھے وہ حالات و اسباب جن کی بنیاد پر عالمی دعوت کے لیے مکہ اور حجاز کا بطور مرکز انتخاب کیا گیا۔

رسول ﷺ ______ پیغمبر انسانیت:۔

محمد بن عبد اللہ ﷺ کا رشتہ ننھیال کی طرف سے مدینے والوں سے تھا اور ماموں کی طرف سے طائف والوں سے تھا۔ مکہ و مدینہ اور طائف فطری و انسانی ہر جہت سے باہم انتہائی مختلف حیثیتیں رکھنے والے ان تینوں بستیوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مقامی وطنیت کی جگہ خود بخود عالمگیر وطنیت نے لے لی اور یقیناً کسی عالمگیر راہنما کے لیے ایسی ہی خصوصیت کی ضرورت تھی۔

ہر محتاج کو مدد دینا، حق رسائی میں پیش پیش لیکن حق طلبی میں سب سے پیچھے رہنا، سادگی پسند، منکسر، مخلص، فیاض، محنتی، فرض شناس، پابند وقت غرض یہ کہ فطرت نے مکارم اخلاق کا وافر حصہ آپ کو دیا تھا۔(۹) یہ چیزیں بچپن ہی آپ میں نظر آتی تھیں۔ زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنے کی عادت نے آپ کی شخصیت کی اس طرح تعمیر کر دی تھی کہ نبوت سے پہلے زبان خلق آپ کو الامین کا خطاب دے کر آپ کی سرداری معنوی طور پر تسلیم کرتی ہے۔(۱۰)

زمانہ آپ کی خوبیوں کا نبوت سے قبل ہی معترف تھا۔ فرداً فرداً یہ اوصاف اوروں میں بھی ہو سکتے ہیں اور رہے ہوں لیکن ان سب کا اجتماع کسی اور شخص میں نہ تھا اور ضرورت تھی اسی اجتماع کی تاکہ ایسی ذات کو عالمگیر و دائمی نبوت کی خدمت پر مامور کیا جا سکے۔(۱۱)

بعثت سے قبل محمد ﷺ کی عالمگیر سرگرمیاں:۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے عالمی پہلو آپ کی بعثت سے پہلے ہی نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان پہلوؤں کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے،

الف) حلف الفضول:۔

فجار کے نام سے عربوں میں جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چلا۔ چوتھے فجار میں بنی ہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب (۱۲) تھے۔ ان جنگوں میں اس مرتبہ زیادہ خونریزی ہوئی تھی اور یہ جنگ بھی معمولی سی بات پر شروع ہوئی تھی۔ چنانچہ قریش کافی پشیمان ہوئے۔ یقیناً اس پشیمانی کی وجہ سے جھگڑوں میں اس صورت حال سے نکلنے کے لیے راستہ کی تلاش کی جستجو پیدا ہوئی ہوگی۔ (۱۳) اسی زمانے میں ایک یمنی تاجر نے مکے میں اپنے ادھار فروخت شدہ مال کی قیمت وصول کرنے کی کوشش کی جب اسے کئی دفعہ کی کوشش کے باوجود کامیابی نہ ہوئی تو اس نے کچھ دل جلے ہجویہ شعر کہے۔ (۱۴) اس واقعہ اور حرب فجار کی وجہ سے زبیر بن ابوالمطلب کے دل کو چوٹ لگی تو انہوں نے قبیلہ تمیم کے عبداللہ بن جدعان (۱۵) کے ساتھ مل کر جرہمی دور کے معاہدہ حلف الفضول کو تازہ کرنے کی دعوت دی۔ حلف الفضول کی تفصیل کئی مورخین نے بیان کی ہے۔ ان تفصیل کے مطابق چند افراد نے ایک انجمن قائم کی ہوئی تھی۔ (۱۶) یہ انجمن مظلومین کی مدد کرتی تھی اور اس میں شریک افراد متحدہ طور پر رضا کارانہ اپنے شہر میں ظالموں کا ہاتھ روکتے تھے اور مظلوموں کی مدد کرتے تھے۔ (۱۷) محمد ابن عبداللہ ﷺ اس معاہدہ کے احیاء میں شریک ہوئے۔

ابن ہشام روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں عبداللہ جدعان کی گھر میں حلف پینے میں شریک تھا اور
سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز

سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں
بھی کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑوں
گا۔"(۱۸)

حلف الفضول عربوں کا اس دور کا کارنامہ ہے جب باقی دنیا میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا رواج تھا۔ عربوں نے زمانہ جاہلیت میں اس معاہدہ کی ہمیشہ پاس کی۔(۱۹)

ب) بین الاقوامی تجارت:۔

رسول اللہ ﷺ بھی دوسرے قریش کی طرح کپڑے اور غلے کی تجارت میں شامل ہوئے۔ آپ ﷺ کا پہلا تجارتی سفر جو کہ تجارتی بھی اور بین الاقوامی بھی، نو برس کی عمر میں تھا۔ اس سفر میں آپ ﷺ نے بحیرہ راہب (۲۰) سے ملاقات کی تھی۔ عرب مؤلفین بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ راہب نے قیافے سے پتہ چلایا کہ آپ نبی بننے والے ہیں۔(۲۱)

بعض مورخین نے روایت کی ہے کہ بی بی خدیجہ نے آنحضور ﷺ اور ایک شخص کو اجرت پر سوق حباشہ بھیجا جو تہامہ مکے سے جنوب میں چھ دن کے سفر پر واقع ہے۔(۲۲) بعض روایت کے مطابق حضرت خدیجہ نے آپ کو دو مرتبہ جرش بھی سامان دے کر بھیجا اور ہر دفعہ معاوضہ کے طور پر اونٹ دیا۔(۲۳) ان روایات سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کے رسول اللہ ﷺ اس بین الاقوامی سفر پر روانہ ہوئے۔(۲۴)

تجارتی سفروں کے اس تجربے نے بعد میں اسلام کو عالمی سطح پر پیش کرنے میں مدد کی ہوئی۔ آپ ﷺ قبائل عرب کے داخلی معاملات اور حتی کہ ان کے لہجات سے بھی آگاہ تھے اور اسی آگاہی کی بنیاد پر آپ ﷺ انہیں احلاف میں شامل کرنے میں کامیاب ہوئے۔(۲۵)

بعثت سے قبل محمد ﷺ کی عالمگیر سرگرمیاں:۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے عالمی پہلو آپ کی بعثت سے پہلے ہی نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان پہلوؤں کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے،

الف) حلف الفضول:۔

فجار کے نام سے عربوں میں جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چلا۔ چوتھے فجار میں بنی ہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب (۱۲) تھے۔ ان جنگوں میں اس مرتبہ زیادہ خونریزی ہوئی تھی اور یہ جنگ بھی معمولی سی بات پر شروع ہوئی تھی۔ چنانچہ قریش کافی پشیمان ہوئے۔ یقیناً اس پشیمانی کی وجہ سے کچھ لوگوں میں اس صورت حال سے نکلنے کے لیے راستہ کی تلاش کی جستجو پیدا ہوئی ہوگی۔ (۱۳) اسی زمانے میں ایک یمنی تاجر نے مکے میں اپنے ادھار فروخت شدہ مال کی قیمت وصول کرنے کی کوشش کی جب اسے کئی دفعہ کی کوشش کے باوجود کامیابی نہ ہوئی تو اس نے چھ دل جلے ہجویہ شعر کہے۔ (۱۴) اس واقعہ اور حرب فجار کی وجہ سے زبیر بن ابوالمطلب کے دل کو چوٹ لگی تو انہوں نے قبیلہ تیم کے عبداللہ بن جدعان (۱۵) کے ساتھ مل کر جرہمی دور کے معاہدہ حلف الفضول کو تازہ کرنے کی دعوت دی۔ حلف الفضول کی تفصیل کئی مورخین نے بیان کی ہے۔ ان تفصیل کے مطابق چند افراد نے ایک انجمن قائم کی ہوئی تھی۔ (۱۶) یہ انجمن مظلومین کی مدد کرتی تھی اور اس میں شریک افراد متحدہ طور پر رضاکارانہ اپنے شہر میں ظالموں کا ہاتھ روکتے تھے اور مظلوموں کی مدد کرتے تھے۔ (۱۷) محمد ابن عبداللہ ﷺ اس معاہدہ کے احیاء میں شریک ہوئے۔

ابن ہشام روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں عبداللہ جدعان کی گھر میں حلف بننے میں شریک تھا اور
سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز

سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں
بھی کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑ وں
گا۔''(۱۸)

حلف الفضول عربوں کا اس دور کا کارنامہ ہے جب باقی دنیا میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا رواج تھا۔عربوں نے زمانہ جاہلیت میں اس معاہدہ کی ہمیشہ پاس کی۔(۱۹)

ب) بین الاقوامی تجارت :۔

رسول اللہ ﷺ بھی دوسرے قریش کی طرح کپڑے اور غلے کی تجارت میں شامل ہوئے۔آپ ﷺ کا پہلا تجارتی سفر جو کہ تجارتی بھی اور بین الاقوامی بھی نو برس کی عمر میں تھا۔اس سفر میں آپ ﷺ نے بحیرہ راہب(۲۰) سے ملاقات کی تھی۔عرب مؤلفین بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ راہب نے قیافے سے پتہ چلایا کہ آپ نبی بننے والے ہیں۔(۲۱)

بعض مورخین نے روایت کی ہے کہ بی بی خدیجہ نے آنحضور ﷺ اور ایک شخص کو اجرت پر سوق حباشہ بھیجا جو تہامہ کے سے جنوب میں چھ دن کے سفر پر واقع ہے۔(۲۲) بعض روایت کے مطابق حضرت خدیجہ نے آپ کو دومرتبہ جرش بھی سامان دے کر بھیجا اور ہر دفعہ معاوضہ کے طور پر اونٹ دیا۔(۲۳)ان روایات سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس بین الاقوامی سفر پر روانہ ہوئے۔(۲۴)

تجارتی سفروں کے اس تجربہ نے بعد میں اسلام کو عالمی سطح پر پیش کرنے میں مدد کی ہوئی۔آپ ﷺ قبائل عرب کے داخلی معاملات اور حتی کہ ان کے لہجات سے بھی آگاہ تھے اور اسی آگاہی کی بنیاد پر آپ ﷺ انہیں احلاف میں شامل کرنے میں کامیاب ہوئے۔(۲۵)

ج) حجر اسود کو نصب کرنے کے تنازع کا خوش اسلوب حل:۔

رسول اللہ ﷺ اپنی عمر کے پینتیسویں برس میں تھے جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ کی عمارت متاثر ہوئی تو قریش نے اس کی نئے سرے سے تعمیر کا فیصلہ کیا۔ بیت اللہ کی تعمیر میں ہر قبیلے کو ایک ایک دیوار کی تعمیر کے حصے بانٹ کر دیے گئے لیکن جب حجر اسود کو مخصوص جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو قبائل عرب کے درمیان تنازع پیدا ہو گیا۔ اور محمد ﷺ کو حاکم بنانے پر اتفاق ہوا۔

آپ ﷺ اس موقع پر اگر چاہتے تو حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف اپنی ذات کے لیے مخصوص کر سکتے تھے لیکن آپ نے تو اس موقع پر دنیا کو تنازعات پرامن طریقے سے حل کرنے کا سبق دینا تھا چنانچہ آپ نے حجر اسود کو ایک کپڑے میں رکھا اور فرمایا:

''ہر قبیلہ کپڑے کے ایک ایک کنارے کو پکڑے اور پھر سارے مل کر اس کو بلند کریں۔''

انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب حجر اسود مقررہ جگہ پر پہنچا تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے وہاں نصب فرما دیا۔(۲۶)

آپ ﷺ نے ایک طویل خانہ جنگی کے احتمال کا بڑی خوشی اسلوبی سے سد باب فرما دیا۔ اصل جھگڑالو لوگ تو کسی کو معلوم نہیں کون تھے۔ لیکن محمد الامین کا نام البتہ صلح جو اور صلح کل کی حیثیت سے قیامت تک ایک اسوۂ حسنہ سے یہ پتہ چلتا رہے گا کہ جھگڑے کس طرح چکائے جاتے ہیں۔(۲۷)

بین الاقوامی پیغام دعوت کا آغاز:۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی عمر کے چالیس سال میں ارشاد ہوا کہ:

> وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک لمن تبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بری مما تعملون۔(۲۸)

آپ اپنے رشتہ داروں کو (گمراہی سے) ڈرائیں، اور نرم خو
ہو جائیں۔ مومنوں میں سے اپنے پیروکاروں کے لیے اور اگر
وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ میں
تمھارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں۔

حکم خداوندی کی تکمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو کھانے کی دعوت پر بلایا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''عرب میں کوئی انسان اس سے بہتر کوئی چیز نہیں جانتا جو
میں آپ کے پاس لے کے کر آیا ہوں، میں آپ کے پاس
دنیا و آخرت کا سب سے بہتر پیغام لایا ہوں، میرے رب
نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اس کی طرف بلاؤں۔ پس تم
میں سے کون ہے جو اس بارے میں میری مدد کرے
گا۔''(۲۹)

حضرت علی بن ابی طالب کے سوا کسی نے جواب نہ دیا۔ قریبی رشتہ داروں کے بعد آپ اہل مکہ سے مخاطب ہوئے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر میں آپ سے کہوں کہ اس وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کو قبول کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

فانی نذیر کم بین یدی عذاب شدید. (۳۰)
میں تمھیں ڈراتا ہوں شدید عذاب سے۔

اہل مکہ نے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ دیا۔ لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے۔ آپ نے اپنی دعوت پوری دلجمعی سے جاری رکھی۔ آپ لوگوں سے ملتے اور ان میں سے امیر و غریب، آزاد و غلام، طاقت و کمزور

سب کو عالمی پیغام پر ایمان لانے کی دعوت دیتے۔ اگر چہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن اہل مکہ کی طرف مسلمانوں کی مخالفت میں اضافہ اس سے کہیں زیادہ شدید تھی۔

رسول رحمت ﷺ عزم واستقلال کا پیکر:۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو آپ کی دعوت کی کامیابی میں بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے، ان سے نرم دلی سے پیش آتے۔ آپ بہادرانہ لیکن دلکش انداز سے لوگوں کو اسلام لانے کی دعوت دیتے۔ عدل پسند کو پسند کرتے، حق دار کو اس کا حق دیتے، ضعیف و کمزور اور مسکین کی طرف مودت و محبت اور الفت کی نظر سے توجہ فرماتے، آپ کے انہی اخلاق سے متاثر ہو کر مکے کے اعلیٰ طبقے کے افراد میں سے ان افراد نے جن کے نفوس طاہر تھے، اسلام کو قبول کر لیا۔ اسی طرح بے بس اور پسے ہوئے افراد بھی اسلام میں داخل ہونے لگے اور اسلام مکے میں پھیلتا چلا گیا۔(۳۱)

جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا دشمنان اسلام کے رویے میں مسلمانوں کے خلاف شدت پیدا ہوگئی۔ عام مسلمان تو کیا خود رسول اللہ ﷺ بھی قریش کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے اور ان میں جاہل لوگ رسول اللہ ﷺ پر جادو ہونے اور شاعر وغیرہ ہونے کے الزام لگانے لگے۔(۳۲) ان تکلیفوں اور اذیتوں کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی دعوت جاری رکھی اور آپ کے پایہ استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی۔ قریش مکہ نے جب یہ استقامت دیکھی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت چھوڑنے کی عوض دنیا بھر کی نعمتوں کی پیش کش کی۔(۳۳)

آپ نے اس پیش کش کے جواب میں یہ ثابت کہ کہ آپ وہ شخصیت ہیں جن کو مال و دولت اور عزت وحکومت کا کوئی لالچ نہیں ہے۔(۳۴)

پہلا بین الاقوامی رابطہ (ہجرت حبشہ):۔

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ محسوس کیا کہ اہل مکہ کے ظلم وستم دن بدن بڑھ رہا ہے اور چونکہ اسلام تو کسی

مخصوص سرحد کے اندر تک رہنے کا پابند پیغام نہیں تھا اس لیے آپ نے اہل مکہ کے قریب ترین طاقتور ریاست حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ آپ نے ہجرت حبشہ کے لیے جانے والے صحابہ کے ہمراہ اپنے چچا کے بیٹے (جعفر ابن ابی طالب) (م ۸ھ/۶۲۹ء) (۳۵) کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، حضرت جعفر بن ابی طالب نے رسول اللہ ﷺ نجاشی کے دربار میں نمائندگی کی۔ حضرت جعفر کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ نے جو خط روانہ کیا اس خط میں عیسائیت اور اسلام کے عقائد کی وضاحت فرمائی اور نجاشی کو ایمان لانے کی دعوت دی۔ (۳۶)

ڈاکٹر حمید اللہ کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہجرت حبشہ کی طرف جانے والے صحابہ سے یہ فرمانا،

''ان بھا ملکا لا یظلم عندہ احد وھی ارض صدق'' (۳۷)

یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ نجاشی سے متعارف تھے۔

ہجرت حبشہ رسول اللہ ﷺ کا پہلا عالمی رابطہ تھا اور آپ نے اس رابطے میں نہ صرف کامیابی حاصل کی بلکہ حبشہ کے سیاہ فام باشندوں کے دلوں کو اسلام کے نور سے بھی منور کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول ہجرت حبشہ سے کم از کم چالیس پچاس حبشی ضرور مسلمان ہوئے۔ (۳۸)

بین الاقوامی دعوت کے لیے مکہ میں بین القبائل روابط:۔

ابتداء میں دعوت اسلام کا مرکز ہی تھا۔ (۳۹) لیکن جب قریش مکہ کی طرف سے اسلام کی مخالفت میں مسلسل تیزی سے اور شدت آنے لگی تو آپ ﷺ نے مکے سے باہر کے قبائل سے بھی رابطہ کیا۔ (۴۰)

بین الاقوامی پیغام کی کرنوں سے اہل یثرب کا منور ہونا:۔

بین الاقوامی دعوتی ملاقاتوں میں آپ ﷺ نے عقبہ کے مقام پر اہل یثرب کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ دعوت اہل یثرب نے قبول کر لی۔ (۴۱)

یثرب کی طرف مندوب رسول اللہ ﷺ کی نامزدگی:۔

اہل یثرب کی درخواست پر اور اوس وخزرج کے درمیان مختلف معاملے کو منظم کرنے اور انہیں دینی احکام سکھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر (م ۳ھ/ ۶۲۵ء) کو یثرب کی طرف مندوب بنا کر روانہ کیا۔

بعثت کے بارھویں سال مسلمان مدینہ میں تہتر افراد مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے عقبہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کی۔ اس موقع پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عقائد اسلام پر عمل کرنے کی بیعت کی۔ (۴۲)

اہل یثرب کی یہ بیعت رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے حمایت اور ان کی خاطر تمام پیچیخجز کا مقابلہ کرنے کا عزم تھا۔ اس بیعت کے عربوں نے حرب الاسود والاحمر کا نام دیا یعنی یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی حمایت کا اعلان ہی نہ تھا بلکہ آپ کی خاطر جنگ کرنے کا بھی اعلان تھا۔ (۴۳)

رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی میں ریاست کی تشکیل اور نئے بین المذاہب و القبائل دستور کا نفاذ:۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال میں ہی یثرب کے امن وسلامتی کو یقینی بنانے اور وہاں کے باشندوں کے معاملات کو منظم کرنے کے لیے اہم ترین اقدامات فرمائے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں اوس وخزرج، مہاجرین اور غیر مسلم قبائل عرب رسول اللہ ﷺ کی سیاسی قیادت کے تحت ہو گئے۔ اس صورت حال میں یہود مدینہ وہ واحد مدنی گروہ تھا جو اس اجتماعی نظام سے باہر تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی اس اجتماعی نظام میں شمولیت کی دعوت دی تو ان کے لیے اپنی بقاء اور سلامتی کی خاطر اس سے انکار ممکن نہ رہا۔ (۴۴)

اس طرح مدینہ یثرب کے معاشرہ کی مختلف آکائیاں، انصار (اوس وخزرج)، مہاجرین (بنوامیہ و بنو

ہاشم)، عرب قبائل اور یہود (بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع) میثاق مدینہ کے وثیقہ پر متفق ہو گئے اور یہ میثاق نئی قائم شدہ ریاست کا دستور بن گیا۔ اس دستور کے رو سے ریاست کے باشندوں کو برابری کے حقوق دیئے گئے۔ دفاعی سلامتی کو یقینی بنایا گیا اور مذہبی آزادی اور شخصی معاملات کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق طے کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اس کے لیے مناسب ماحول بھی فراہم کر دیا گیا۔ میثاق مدینہ تاریخ ساز کی وہ پہلی دستاویز ہے جو تحریر کی گئی ہے۔ اس دستور کی ۵۲ دفعات ہیں اور یہ قانونی زبان کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ (۴۵) یہ دستور نہ صرف مسلمان کے تحفظ کا باعث بنا بلکہ اس سے غیر مسلموں کو بھی برابر کے حقوق ملے مثلاً یہودیوں میں بنوقینقاع جو کہ سنار تھے سب سے معزز سمجھے جاتے تھے۔ جب کہ بنوقریظہ چونکہ پیشے کے اعتبار سے چمار تھے کم تر اور حقیر سمجھے جاتے تھے اور ان کی دیت بنوقینقاع اور بنونضیر کے یہودی کی نسبت آدھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ناانصافی کو منسوخ فرمایا اور بنوقریظہ کی دیت کو دوسرے یہودیوں کے برابر قرار دیا۔ (۴۶)

جنگوں میں استقامت اور کامیابی:۔

قریش مکہ کی مسلمانوں کے ساتھ عداوت کی وجہ سے جزیرۃ العرب میں ایک ایسے تصادم کا آغاز ہوا تھا جو عربوں کے لیے غیر معروف اور غیر معمولی تھا۔ (۴۷) کیونکہ یہ تصادم قبائلی یا نسلی تفاخر کے لیے نہ تھا بلکہ اس کی بنیاد عقائد پر اختلاف تھا ایک طرف شرک کرنے والے تھے اور دوسری طرف توحید کے علمبردار تھے۔ دونوں کے درمیان ملاپ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے دونوں میں سے کسی ایک کو ختم ہونا تھا یا کسی ایک کو دوسرے پر غالب آنا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان بدر کے میدان میں پہلا جنگی ٹکراؤ ہوا اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور قریش اپنے ستر سے زیادہ افراد کی لاشوں اور کئی جنگی قیدیوں کو چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ (۴۸)

جنگ بدر میں مسلمانوں نے کامیابی رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ایسے وقت حاصل کی تھی جب عام عربوں کے نزدیک برتری کا معیار صرف قوت ہی تھی۔ (۴۹)

جنگ بدر کی شکست کو قریش مکہ نے ہضم نہ کیا اور اگلے ہی سال احد میں مسلمانوں کے ساتھ ان کی دوبارہ جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں قریب تھا کہ مسلمان فتح یاب ہو جائیں لیکن مسلمانوں کے ایک گروہ نے احکام رسول اللہ ﷺ کے برعکس ایک جگہ کو چھوڑ دیا۔ اس سے دشمن نے فائدہ اٹھایا اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد از جنگ اقدامات نے شکست کی باوجود مسلمانوں کے استحکام کو یقینی بنایا۔ (۵۰)

جنگ احد کی کامیابی سے شہ پا کر قریش مکہ نے مسلمانوں پر حتمی کامیابی حاصل کرنے کے لیے پھر سے تیاریاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کے تمام اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو جمع کر کے ۵ ہجری میں غزوہ احزاب کے لیے لا کھڑا کیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بغیر لڑائی کے فتح حاصل ہوئی اور قریش مایوس و نامراد ہو کر لوٹ گئے۔

ان جنگوں کے نتائج نے واضح کر دیا کہ مسلمان اب ایک ناقابل تسخیر طاقت ہیں اور وہ عالمی پیغام امن و سلامتی کا قوت کا بازو اور قوت استدلال سے دفاع کر سکتے ہیں۔

عصبیتوں کا خاتمہ اور اتحاد و یک جہتی:۔

فرق مذاہب، رنگ و نسل میں اختلاف اور قبائلی تفاخر مختصر یہ کہ ہر لایعنی اور بے حقیقت فرق نے ہمیشہ انسانوں میں خونریزی کے اسباب کو پیدا کیا۔ الہامی یقینی دانیاں (مذاہب) اور عقلی استقراء و استنباط (سائنس) اب اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ کرہ زمین کی موجودہ آبادی ایک ہی باپ کی اولاد ہے۔ اولاد آدم میں ذاتی حفاظت مرنے کشی پر مجبور کرتی رہی تو معاشی ضرورتیں مرنے مرنے ریزی پر آمادہ کرتی رہیں اور اس مرنے مرنے ریزی نے برادر کشی تک کو جائز بنا دیا۔ حالانکہ یونانی، لاطینی جیسی قدیم متمدن زبانوں میں بھی دشمن کے لیے جو لفظ بولا جاتا ہے اس کے اصل معنی محض اجنبی کے ہیں۔

بین الاقوامی عصبیتوں کو تو چھوڑ یے اگر طلوع اسلام کے وقت کی عربی عصبیتوں کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب شدید تھا۔ پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی

کشمکش تھی۔ پھر قریش اور غیر قریش کا فرق تھا۔ پھر قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں تھیں۔ اس کے علاوہ شہری اور بدوی کا جھگڑا الگ تھا۔ آج جو نفرت فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان ہے یا صرب اور مسلمانوں کے درمیان ہے یا ہندوؤں اور کشمیریوں کے درمیان ہے وہ اس نفرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو قبل از اسلام کے ہم جو عرب قبائل کے مابین تھی۔ ان حالات میں اسلام کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تنگ نظریوں اور عصبیتوں کے خلاف ایک دوسری بندی پر تھیں۔ ان کے مطابق عرب و عجم، عدنان وقحطان وغیرہ سب کا ایک ہی خدا ہے۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور گورے کالے ہونے یا زبانوں اور وطنوں کا فرق رکھنے سے فطری مساوات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی برتری ہے تو وہ صرف ہر ایک کے ذاتی اعمال کے باعث ہے۔ (۵۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و
جعلنکم شعو با و قبائل لتعارفو ان اکرمکم عند
اللہ اتقکم۔ (۵۲)

اس ارشاد باری تعالیٰ کی وضاحت فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! تمھارا پروردگار ایک ہے۔ تمھارا باپ ایک
ہے۔ آگاہ ہو کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت
نہیں اور نہ ہی سیاہ کو سرخ پر اور نہ سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت
ہے سوائے تقویٰ کے۔ (۵۳)

رسول اللہ ﷺ نے عصبیتوں کے خاتمہ کے لیے عربوں کے تقریباً تمام اہم قبائل میں شادیاں کیں۔ اسوۂ رسول اللہ ﷺ کا اثر یہ ہوا کہ آقا و غلام قریشی وغیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی یک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے تھے اور قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا سا بھی لحاظ نہیں کیا

جاتا تھا۔ دنیا میں ایک طرف انسان نے بھائی چارے کو بھلا دیا تھا کہ دوسرے بھائی تو درکنار اس کا سایہ بھی اپنے سائے پر پڑنے دینا گوارا نہ کرسکتا تھا۔ علم و عرفان کے متعلق اتنی خودغرضی تھی کہ کوئی اجنبی چھونا تو درکنار محض سن لیتا تو سزا میں پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال کر اسے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ ان حالات میں دوسری طرف انا خلقنکم من زکر و انثی کے اعلان سے وہ خصوصیت پیدا ہو گئیں کہ خاندان غلامان اور خانوادہ ممالیک کی حکمرانی سے کسی کو بھی عار نہ ہوا کیونکہ غلام زید اور غلام زادہ اسامہ کے تحت بھی صدیق و فاروق اور سیف اللہ اور اسد اللہ کو اپنی ہتک محسوس نہ کرنے کی تعلیم مل چکی تھی۔ انسانوں کے اصولی و فطری مساوات پر پرہیزگاری کے اکتسابی فضیلت و برتری کے نئے نتیجے نے وہ تمام مصنوعی اور انسان ساز بت ملیامیٹ کر دئے۔ جو اب بھی غیر اسلامی سماجوں میں موجود اور انسانوں میں نہ ختم ہونے والی تلخی اور فساد انگیزی پیدا کر رہے ہیں۔ (۵۴) نیا عالمی نظام قائم کرنے کے لیے تمام قسم کی عصبیتوں کا خاتمہ ضروری ہے اور یہ خاتمہ صرف اور صرف اسوۂ حسنہ کے بتائے ہوئے فارمولہ سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔

انتقام در انتقام کا خاتمہ:۔

عام انسانوں کی کچھ افتارِ طبع ایسی ہوتی ہے کہ نہ دوسرے کا احسان یاد رکھتا ہے اور نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکالیف بھولتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر مختلف اقوام کے درمیان انتقام کے طویل اور کبھی ختم نہ ہونے والے سلسلے جاری رہتے ہیں۔ عہد نبوی کے آغاز پر عرب قبائل میں انتقام در انتقام کا یہی سلسلہ تھا۔ ایران و یونان کی ہزار سالہ کشمکش بھی یہی بتاتی ہے۔ ہندوستان میں برہمنی اور بدھ مت کی کشاکش بھی ایسی ہی چیز تھی۔ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھوں پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا تھا۔ آپ نے جب اسلام کی بہی خوانہ دعوت دی تو اس کا جواب عربوں نے جسمانی و روحانی تکالیف دے کر دیا۔ آپ ﷺ کو ملک بدر ہونے پر مجبور کیا گیا آپ اور آپ کے صحابہ کی جائیدادیں زبردستی چھین لی گئیں۔ مسلمانوں کو جلاوطن ہونے پر بھی چین نہ لینے دیا۔ بدر، احد، خندق

میں روز افزوں شدت سے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو فنا کرنے کے لیے دوڑے۔ جب بر سوں کی غیر منقطع کشمکش کے بعد مسلمانوں نے مکہ پر قبضہ کرلیا تو کیا اس دور کے رواج کے مطابق مکہ میں قتل عام نامناسب تھا؟ کیا مکہ والوں کی پوری جائیداد کی ضبطی ناجائز ہوتی؟ مکہ والوں کو قیامت کے لیے غلام اور اچھوت قرار دینے میں کیا زیادتی سمجھی جاتی؟ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بجائے آپ ﷺ نے انتقام در انتقام کے سلسلہ کو اس اعلان کے ساتھ بند کر دیا کہ

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء۔(۵۵)

''جاؤ آج تم سب آزاد ہو تم پر کوئی الزام باقی نہیں ہے۔''

فتح مکہ کے بعد اگر مسلمان انتقام لیتے تو جذبہ درندگی کی تسکین تو ہو جاتی لیکن جو تکلیفیں پہنچ چکی تھیں اور جو لوگ مر چکے تھے یا جو بات ہو چکی تھی تو اسے پھر ان ہونی تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح لوٹ مار کر لی جاتی تو مال غنیمت تو ہاتھ ضرور آ جاتا مگر مال کا کیا جو کہ ہاتھ کا میل ہے۔ اس کے برخلاف لا تثریب علیکم الیوم کی صدا بازگشت کا گونجنا ابھی بند نہیں ہوا تھا کہ مکے والوں کے دل پگھل گئے۔ جسم شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور مکہ کی ایسی کایا پلٹی پھر مکہ والوں کو اپنی شکست کا کبھی ملال تک نہ ہوا اور یہی مکہ والے اپنے سابق دشمن کے سب سے تابعدار معاون اور ساتھی بن گئے۔ کاش کوئی آکرن یاور، کوئی اسامیلین، کوئی میک آرتھر محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتا اور محرومین کی آئندہ انتقامی جنگ کے امکان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر کے انسانوں کو امن وچین عطا کر سکتا۔(۵۶)

آج بھی پوری دنیا کو بالعموم اور امت مسلمہ کو بالخصوص نئے عالمی نظام قائم کرنے کے لیے انتقام در انتقام کے سلسلہ کو روکنا ہوگا۔ ایک یہودی کے بدلے ۱۰۰ فلسطینیوں کو مارنے یا ایک ہندو کے بدلے سینکڑوں کشمیریوں کو شہید کرنے یا ایک صرب کے بدلے سینکڑوں بوسنیاؤں کو تہ تیغ کرنے یا ایک

روس کے بدلے شیشانیوں کی بستیوں یا ایک اسامہ کی خاطر پورے افغانستان سے انتقام یا ایک صدام کی خاطر پورے عراق کی تباہی جیسے انتقام در انتقام کے سلسلے دنیا کے لیے مثالی عالمی نظام اور New World Order کی تشکیل نہیں کر سکتے۔اس کے لیے تو اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے معافی اور درگزر کو اختیار کرنا ہوگا ورنہ نسل در نسل انتقام کی درندگی کبھی نہ رکے گی۔آج امریکی افغانیوں اور عراقیوں کو ماریں گے تو کل ان کی نسلیں امریکیوں سے انتقام لیں گی اور یہ سلسلہ کبھی نہ رکے گا۔

صلح اور امن وسلامتی کے معاہدات:۔

آج دنیا کو بھی صلح حدیبیہ جیسے اسالیب سے امن وسلامتی کی طرف سفر طے کرنا ہے۔میثاق مدینہ کے معاہدات کی طرح رنگ ونسل اور مذاہب کے فرقوں سے بالاتر آئین بنانے ہوں گے۔امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں اپنے دشمنوں کی تعداد کم سے کم کرے اور دوسری قوموں کے ساتھ باہمی احترام پر مبنی صلح اور سلامتی کے معاہدات کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنائے۔

باہمی احترام پر مبنی سفارتی تعلقات:۔

پر امن اور مثالی عالمی نظام کے لیے ضروری ہے کہ تمام ممالک آپس میں باہمی احترام پر مبنی سفارتی تعلقات قائم کریں اور ان کی بنیاد مشترکہ اصولوں پر مبنی ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے اس دور کے تمام اہم ممالک سے سفارتی وفود کا اسی لیے تبادلہ فرمایا۔آپ نے اس دور کی اہم ترین طاقتوں کو مشترکہ بنیاد پر تعلقات استوار کرنے کی دعوت دی۔موجودہ دور میں نئے عالمی نظام کو قائم کرنے کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر مبنی سفارتی نظام کو مشعل راہ بنا کر سفارتی تعلقات کے لیے مشترکہ بنیادیں ڈھونڈ کر اور چھوٹی بڑی تمام قوموں کو برابری کے حقوق دینے ہوں گے اور اس ضمن میں سب سے پہلے امت مسلمہ کے اجزا مختلف اسلامی ممالک کو اپنے سفارتی تعلقات کی تشکیل میں

اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہوگی۔

مذہبی رواداری اور برداشت:۔

رسول اللہ ﷺ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ دنیا کے دیگر مذاہب جھوٹے اور ان کے ماننے والے جہنمی ہیں۔آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق لا مذہبی اور خود پرستی کو چھوڑ کر جس میں اپنی ہی دستکاری اور اپنی ہی مصنوعات کو اپنا خدا مان لینا شامل ہے)دنیا کا ہر مذہب سچا اور خدا کی طرف لے جانے والا ہے بشرطیکہ اس مذہب کی ابتدائی اصلیت مین غلط رسم ورواج سے حذف واضافے نہ ہو گئے ہوں اور یہ کہ دنیا کوئی ملک اور امت ایسی نہیں جہاں خدا کے پیغمبر نہ آئے ہوں اور سچا مذہب نہ پھیلا چکے ہوں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''انا ارسلنا ک با لحق بشیرا وّ نذیر اO و ان من
امة الا خلا فیھا نذ یر ''۔(۵۷)

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے
والا بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں ڈرانے والا نبی
بھیجا۔

آپ ﷺ نے صلح کل،رواداری اور وسعت قلبی کی اس تعلیم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ یہودی،عیسائی،صابی اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذاہب کو ترک کر دیں بلکہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

ان الـذ یـن ا مـنـو ا و الـذ ین ھادو و النصا ر ی و
الـصـا ئبیـن مـن ا من باللہ و الیو م الآ خر و عمل
صالحا فلھم اجر ھم عند ربھم ولا خو ف علیھم
ولا ھم یحز نون۔(۵۸)

آپ ﷺ کی تبلیغ تو یہ ہے کہ اسلام سابقہ مذاہب کی تکمیل وتجدید ہی ہے اوران سے جدا کوئی نئی چیز نہیں ہے۔جس طرح کی مذہبی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی اس سے انسان کو مذہبی تعصب کی مصیبت سے نجات مل جاتی ہے۔اور(لا اکراہ فی الدین)وہ سنہری اصول ہے جو کہ اسلام سے پہلے سنا ہی نہیں گیا تھا۔نئے عالمی نظام کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس پر عمل کرنے والے انسان دوسرے مذاہب کی تحقیر کرتے ہوں اور نہ ہی بانیان مذاہب کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہوں۔اپنے اپنے عقیدے پر عمل کرتے ہوئے استدلال کے ذریعے دوسروں کو قائل کرنے کی کوشش ضرور کر سکتے ہوں جیسا کہ قرآن فرماتا ہے(وجادلھم بالتی ھی احسن)(۵۹)لیکن دوسروں کے مذاہب کی تحقیر نہ ہوتی ہو جیسا کہ قرآن میں حکم ہے:

''ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبو
اللہ عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ
عملھم ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا
یعملون۔(۶۰)

دولت کی منصفانہ تقسیم:۔

اسلام سے پہلے کے مذاہب نے خیرات کی تعلیم تو دی لیکن اس کے لیے کوئی جبر اور لزوم عائد نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں میں جو عموماً کنجوسی اور بے رحمی ہوتی ہے اس کا علاج نہ ہو سکا۔مالدار مالدار تر ہوتے گئے اور مفلس مفلس تر۔رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ دولت کی گردش وتقسیم سے ہی ہر کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔تقسیم دولت کی غرض سے زکوۃ کو لازمی قرار دے دیا گیا۔وراثت کی تقسیم کے اصول وضع کئے اور سابقہ ادوار کے پسے ہوئے طبقات یعنی عورتوں اور بچوں کے لیے بھی جائیداد میں حصے مقرر کئے۔سود کی ممانعت کر کے غریبوں کے استحصال کو ختم کر دیا۔نئے عالمی نظام کو قائم کرنے کے لیے مساوات پر مبنی دولت کی تقسیم کو بھی عمل

میں لانا ہوگا اور دولت مندوں کی دولت میں محروموں اور مفلسوں کو حصہ دینا ہوگا نیز بچوں اور خواتین کا تحفظ خصوصی طور پر کرنا ہوگا۔

انفرادیت واجتماعیت میں توازن:۔

جب اسلام آیا تو بت پرستی عروج پر تھی۔عورتوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا اور غلامی کوئی حد نہ تھی لیکن آج عالمی سطح پر توحید کی عقلی اور نقلی برتری بت پرستی پر ثابت ہوچکی ہے۔عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں اور غلامی کا رواج ختم ہو چکا ہے۔اس عالمی ارتقاء میں اسوۂ رسول اللہ ﷺ ہی سب سے بڑا محرک تھا۔اب جب کہ دنیا میں نئے عالمی نظام کی تشکیل کی بات ہورہی ہے تو اس کے لیے امت مسلمہ کو انفرادی اور اجتماعی آزادی میں توازن برقرار رکھنے کے لیے اسلام کے اصولوں کو واضح کرنا ہوگا اور اسلام اور دہشت گردی کے درمیان فرق دنیا کے سامنے پوری شدت سے پیش کرنا ہوگا۔

Conclusion:

اس باب کی بحث سے حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قوموں اور ممالک کے درمیان تعلقات و امور کو مخصوص قواعد وضوابط کے پابند کرنا عالمی نظام ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ساری دنیا علاقائیت کے بندھنوں میں تقسیم تھی اور انبیاء کی بعثت بھی اسی کے تحت تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کی طرف نبی مبعوث کر کے علاقائیت اور اقلیمی کی جگہ دنیا کے لیے عالمی اور بین الاقوامی تعلیم کا انتظام فرمایا۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے ۴۰ سال کی عمر میں اپنی عالمی دعوت کا آغاز کیا اور مخاطبین پر یہ واضح کردیا کہ اسلام صرف عربوں کے لیے نہیں بلکہ سارے جہاں کے لیے ہے۔

۴۔ جب مکہ والوں نے مسلمانوں کو امن سے رہنے نہ دیا تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ معاہدات کے ذریعے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو بھی اس میں شامل کیا اور اس ریاست کے دفاع کو قریش مکہ کے پے در پے حملوں کے باوجود یقینی بنایا۔

۵۔ جب رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ قریش مکہ اور یہودیوں، دونوں سے بیک وقت دشمنی مسلمانوں کی بقاء کے لیے خطرہ ہے تو آپ نے قریش مکہ سے صلح کر لی اور یہود کا قلع قمع کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کو اندرونی و بیرونی دشمنوں سے محفوظ فرما دیا۔

۶۔ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں ملنے والے امن و سکون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ نے عالمی سطح پر دین کو متعارف کروانے اور اسلامی ریاست کو Dejuro تسلیم کروانے کے لیے سفارتی وفود کا وسیع پیمانے پر مختلف حکومتوں اور بادشاہوں کے ساتھ تبادلہ کیا۔

۷۔ فتح مکہ کے موقع پر انتقام در انتقام کی عربی رسوم کی جگہ عفو در گزر کی مثال قائم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ محمد ﷺ کی فتح صرف علاقوں اور لوگوں پر ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ دلوں کی فتح ہوتی ہے اور ایسی فتح ہوتی ہے کہ مفتوح اور اس کی نسلیں اس پر فخر کرتے ہوئے فاتح کے وفادار ساتھی اور معاون بن جاتے ہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک امت کی تشکیل اور قیادت کی ذمہ داری بھی سونپی تاکہ یہ امت آپ کے اسوۂ حسنہ کی وارث ہو۔ اس امت کا نصب العین امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور اب آخری رسول ﷺ کے وارث ہونے کی بناء پر اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پوری انسانیت تک اللہ کا پیغام امن و سلامتی جو کہ دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے پہنچائے۔

۹۔ اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں نئے عالمی نظام کی تشکیل کے لیے امت مسلمہ کی ذمہ داریوں میں بین الاقوامیت کا فروغ، تنازعات کا پر امن حل، مظلوم کی مدد، تجارت کا فروغ، عصبیتوں

کا خاتمہ، انتقام در انتقام کا خاتمہ، صلح و امن و سلامتی کے معاہدات، احترام پر مبنی سفارتی تعلقات، مذہبی و برداشت، دولت کی منصفانہ تقسیم اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں توازن امور شامل ہیں۔ امت مسلمہ کی یہ ذمہ داریاں ہی وہ بنیادیں فراہم کرتی ہیں جن پر نیا مثالی عالمی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

نتائج کی روشنی میں سفارشات:۔

اس مقالہ کے نتائج کی روشنی میں یا عالمی نظام قائم کرنے کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ پوری دنیا کو رسول اللہ ﷺ کے عالمی پیغام سے ادعوا بالحکمۃ کے اسلوب سے آگاہ کریں۔

۲۔ موجودہ امت مسلمہ سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے اندر اختلافات اور تعصبات کو ختم کریں اور منصفانہ نظام لاکر پوری دنیا کے سامنے مثال بنے۔

۳۔ امت مسلمہ اجتماعی طور پر پوری دنیا کو ایک ایسی تنظیم بنانے کی دعوت دے جو مذہبی رواداری، برداشت، عدل و انصاف پر مبنی عالمی نظام کو منظم کرے اور انسانیت کی رنگ و نسل زبان و وطن اور مذہب وعقیدہ کے تعصبات سے بالاتر ہو کر خدمت کرے۔

حوالہ جات:

۱۔ قرآن، ۳۰:۴۷
۲۔ حمید اللہ۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۴، ص ۲۴
۳۔ ایضاً، ص ۲۹
۴۔ قرآن، ۳۴:۲۸
۵۔ قرآن، ۷:۱۵۸
۶۔ حمید اللہ۔ محمد رسول اللہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۰ بحولہ بالا
۷۔ Hamidulah Muhammad, " The Life work of the prophet of Islam" Translation by Dr Mehmood Ahmed Ghazi, (Islamabad : Islamic Research Institute . 1998.),P.20, Vol.1
۸۔ حمید اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۳۰۔۳۴ بحولہ بالا
۹۔ ابن ھشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ص ۱۶۸، جلد ا بحولہ بالا
۱۰۔ ابن سید الناس، فتح الدین ابو الفتح محمد بن عبداللہ بن محمد بن یحیی، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، بیروت، ۲ دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۴، ص ۵۲، جلد ا
۱۱۔ حمید اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۴۶ بحولہ بالا
۱۲۔ السہیلی، الروض الانف، ص ۳۸، جلد ا بحولہ بالا
۱۳۔ حمید اللہ۔ محمد ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۵۸، بحولہ بالا

۱۴۔ السہیلی۔ الروض الانف۔ ص ۲۰۰، جلد ۲، محولہ بالا

۱۵۔ عبداللہ بن جدعان التیمی۔ ابن حبیب۔ م ان۔ ص ۱۳۷

۱۶۔ السہیلی۔ الروض الانف۔ ص ۲۰۱، جلد ۱، محولہ بالا

۱۷۔ حمید اللہ۔ محمد ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۵۸۔ ۵۹، محولہ بالا

۱۸۔ ابن ھشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ص ۱۷۱، جلد ۱، محولہ بالا

۱۹۔ السہیلی۔ الروض الانف۔ ص ۲۰۲، جلد ۲، محولہ بالا

۲۰۔ ایضاً ص ۱۵۰، جلد ۲

۲۱۔ حمید اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۵۴، محولہ بالا

۲۲۔ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر۔ تاریخ الامم والملوک، بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر ص ۱۹۶، جلد ۲

۲۳۔ ابن سید الناس۔ عیون الاثر۔ ص ۴۷، جلد ۱، محولہ بالا

۲۴۔ ایضاً۔ ص ۵۷، جلد ۱

۲۵۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ص ۱۵۲، جلد ۴، محولہ بالا

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۸۲، جلد ۱

۲۷۔ حمید اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۷۰۔ ۷۱، محولہ بالا

۲۸۔ قرآن: ۲۶، ۲۱۴۔ ۲۱۶

۲۹۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک، ص ۲۱۷، جلد ۲، محولہ بالا

۳۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔ محولہ سابقہ

۳۱۔ ھیکل۔ محمد حسین۔ حیاۃ محمد، مصر، شرکۃ مساھمۃ مصریۃ ۱۹۴۷، ص ۱۴۱

۳۲۔ ابن ہشام، ص ۲۵۸، جلد ۱، محولہ بالا

۳۳۔ ایضاً، ص ۲۶۱، جلد ا

۳۴۔ ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد۔ ص ۱۵۳ محولہ بالا

۳۵۔ خلیفہ بن خیاط العصفری۔ کتاب الطبقات۔، وزارۃ تعلیم، دمشق ۱۹۶۶، ص ۲۱۵

۳۶۔ الطبری۔ تاریخ الامم والملوک۔ ص ۳۷۹، جلد ۶ محولہ بالا

۳۷۔ ابن ہشام، ص ۲۷۰، جلد ا محولہ بالا

۳۸۔ حمید اللہ محمد۔ خطبات بہاولپور۔ ص ۴۰۳ محولہ سابقہ

۳۹۔ قرآن، ۴۲:۷

۴۰۔ مسلم۔ صحیح مسلم۔ حدیث نمبر۔ ۲۳۵۹ محولہ سابقہ

۴۱۔ الطبری۔ تاریخ الامم والملوک، ص ۳۵۴، جلد ۲ محولہ بالا

۴۲۔ بخاری۔ صحیح بخاری۔ حدیث نمبر ۳۶۷۰ محولہ سابقہ

۴۳۔ ابن ہشام۔ ص ۲۷، جلد ۲ محولہ بالا

۴۴۔ عون الشریف قاسم۔ نشاۃ الدولۃ الاسلامیۃ فی عہد الرسول، بیروت، دار الکتاب اللبنانی ص ۲۱۹

۴۵۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ص ۱۰۶۔۱۰۸، جلد ۲ محولہ بالا

۴۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۵۳ محولہ بالا

۴۷۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن خلدون۔ المقدمۃ۔ ص ۱۶۔ ۱۸ محولہ سابقہ

۴۸۔ ابن ہشام۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک۔ ص ۲۵۷، جلد ۲ محولہ بالا

۴۹۔ عبدالمنعم ماجد۔ التاریخ السیاسی للدولۃ العربیۃ ص ۱۰۸، جلد ا۔ ریاض۔ مکتب معارف ص ۱۷۰

۵۰۔ ہیکل، حیاۃ محمد، ص ۳۰۳ محولہ بالا

۵۱۔ حمید اللہ محمد۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۱۳ محولہ بالا

۵۲۔ قرآن، ۱۳:۴۹

۵۳۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ۔ ص ۲۶۰، جلد ۴ محولہ بالا

۵۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ رسول ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۲۴۔۳۲۵ محولہ بالا

۵۵۔ ابن القیم۔ زاد المعاد۔ ص ۴۴۲، جلد ۳ محولہ بالا

۵۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ رسول ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۲۶ محولہ بالا

۵۷۔ قرآن، ۲۴:۳۵

۵۸۔ قرآن، ۶۲:۲

۵۹۔ قرآن، ۱۲۵:۱۶

۶۰۔ قرآن، ۱۰۸:۶

باب سوم :

مواخات مکی و مدنی کے لئے حضور ﷺ کی سعی

Prophet Muhammad(SAWS) efforts on Building Muslim Brotherhood in Makkah and Madinah

مواخات مکہ:-

مواخات مکہ میں ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا، حالانکہ دونوں حضرات مہاجرین میں سے ہیں، اس کے علاوہ مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور فلاں اور فلاں میں مواخات فرمائی۔ (۱)

مواخات مکہ کن اشخاص کے درمیان ہوئی:-

حافظ ابن سید الناس عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ جو مواخات ہجرت سے قبل مکہ میں خاص مہاجرین میں ہوئی ان حضرات کے نام حسب ذیل ہیں :

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ — حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ — حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ — حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ — حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ — حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ — حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ — حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

۹۔ سیدنا مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲)

مواخاتِ مدینہ:-

جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی، دوسری مواخات مہاجرین و انصار کے درمیان تھی اور یہ مواخات درحقیقت دو شہروں کی مواخات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم نبوی کی برکت سے اہل مکہ یعنی مہاجرین اور اہل مدینہ یعنی انصار کے درمیان ایسی محبت قائم فرمادی تھی کہ جو آج خونی اور نسبی رشتوں میں مفقود ہے، چنانچہ یہ رشتۂ مواخات اس قدر محکم اور مضبوط تھا کہ بمنزلہ قرابت و نسب سمجھا جاتا تھا اور جب کوئی انصاری انتقال کرتا تو جس مہاجر کے ساتھ اس کی مواخات قائم کی گئی تھی وہی اس کا وارث ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم
وانفسھم فی سبیل اللّٰہ والذین آووا ونصروا
اولئک بعضھم اولیاء بعض (۳)

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
ہجرت کی اور جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے
مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی، یہ لوگ باہم ایک
دوسرے کے وارث ہو گئے۔''

غرض یہ کہ ابتدائے ہجرت کے موقع پر مواخات کا اثر میراث کے اندر بھی رہا، لیکن کچھ دنوں بعد میراث کا حکم نازل کیا گیا تو پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور تمام مومنوں کو بھائی بھائی بنادیا گیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

انما المؤمنون اخوۃ (۴)

ترجمہ: تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اب مواخات کا رشتہ فقط مواسات یعنی ہمدردی اور غمخواری، نصرت وحمایت کے لئے رہ گیا اور میراث نسبی رشتہ داروں کے لئے خاص کردی گئی۔ (۵)

مواخاتِ مدینہ کی بنیاد:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات مدینہ کے ذریعہ درحقیقت اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل وہ بصیرت افروز عمل تھا کہ اس کے بغیر کسی بھی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پھل پھول نہیں سکتا تھا اور درحقیقت یہ فیصلہ خداوندی تھا جس کا ظہور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر فرمایا، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ درحقیقت عین وحی ہوا کرتا تھا کہ آپ مشیت خداوندی ہی کی بنا پر تمام فیصلے صادر فرماتے، جیسے کہ قرآن میں ہے:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (۶)

ترجمہ: نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے نہیں

بولتے بلکہ ان کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔

بنیادی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قائم ہونے والی اس مواخات کی بنا پر مذہب اسلام مذہبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے مضبوط ہوا، جو اس وقت کا اہم تقاضہ بھی تھا۔ ذیل میں ان چاروں بنیادوں پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی۔

۱۔ مذہبی بنیاد:-

کسی بھی مذہب کی تقویت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیروکاروں کے درمیان باہمی الفت وموانست قائم ہو، تاکہ یہ افرادی قوت اس مذہب کے دفاع کے لئے بنیان مرصوص بن جائے اور غیر مذاہب والوں کے لئے اس مذہب پر میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہو، مواخات مدینہ نے مذہبی اعتبار سے کلیدی حیثیت کا کردار ادا کیا، چنانچہ مہاجرین وانصار کے اس رشتۂ اخوت کی وجہ سے مذہب اسلام کی بنیادیں اس قدر مضبوط ہو گئیں کہ یہود ونصاریٰ اور منافقین کو مذہب اسلام کے سامنے ٹھہرنے کی جرأت نہ رہی اور اسلام کی حقانیت کی وسعت میں ان کی باطلانہ سوچ گم ہوکر رہ گئی اور ایک لا الہ الا اللّٰہ پر جمنے والوں کی جڑیں زمین کے اندر مضبوط درخت جس کی شاخیں آسمانوں سے باتیں کرتی ہوں کی مانند ہو گئیں، جس کا قرآن نے تذکرہ اس انداز سے کیا:

کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السمآء (۷)

الغرض اس مواخات نے کالے، گورے، امیر وغریب کے امتیاز کو مٹا دیا اور دنیاوی سارے تفاخر کو مٹا کر معزز ومکرم اس شخص کو گردانا جس کے اندر اللہ کا خوف سب سے زیادہ ہو جیسا کہ قرآن

نے خود کہا:

ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم (۸)

ترجمہ: تم میں اللہ کے نزدیک سب سے مکرم ومعزز

وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی وپرہیزگار ہو۔

درحقیقت مذہب اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان مساوات اور برابری ہو اور کسی کی بلندی، عزت اور مرتبت کا معیار تقویٰ ہے، مواخات کے عمل سے مذہب اسلام کی اسی روح کو تقویت حاصل ہوئی، لہٰذا یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس مواخات کے عمل سے مذہبی بنیاد مضبوط ہوئی۔

۲۔ معاشرتی بنیاد:-

مواخات کا عمل حسن معاشرت کی نظیر تھی، لہٰذا معاشرتی اعتبار سے اس کے دور رس نتائج حاصل ہوئے، نیز مذہب اسلام حسن معاشرت کے قائم کرنے کا حکم دیتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

ان اثقل شئی یوضع فی میزان المؤمن یوم القیامۃ

خلق حسن (۹)

ترجمہ: یقیناً مومن کے نامۂ اعمال میں میزان کے اندر سب

سے وزنی چیز قیامت کے دن عمدہ اخلاق ہونگے۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان اپنی طبیعتوں اور مزاجوں کے اعتبار سے ایک دوسرے

سے مختلف ہیں اور یقیناً اس اختلاف مزاج کی بنا پر ایک دوسرے سے تکلیف کا ملنا لازم وملزوم ہے، لیکن ایک اچھے معاشرے کی خصوصیت میں سے یہ ہے کہ اہل معاشرہ آپس کے اختلاط کی بنا پر حاصل ہونے والی ان تکالیف پر صبر کا مظاہرہ کریں اور اسی بات کی ترغیب دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم
افضل من الذی لا یخالط ولا یصبر (١٠)

ترجمہ: وہ مسلمان جو لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھتا ہے اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے تو یہ بدرجہا بہتر ہے اس مسلمان سے جو الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارے۔

الغرض معاشرتی بنیاد کے لحاظ سے اس مواخات کے ایسے گہرے اثرات مرتب ہوئے کہ مسلمان ''یک جان دو قالب'' کے مصداق ہوئے اور خود قرآن نے ان کی اس حسن معاشرت کی گواہی ان الفاظ سے دی :

یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم
خصاصۃ(١١)

ترجمہ: ''یہ (حضرات صحابہ) لوگ خود حاجت مند ہوتے ہوئے بھی اپنے نفوس پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں''

اور تاریخ انسانی گواہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قائم کردہ مواخات کی بنا پر

ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا تھا، جس کی نظیر تا قیامت ملنا ممکن نہیں، یہ مواخات ہی کی برکات تھیں کہ فارس کے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حبشہ کے بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور روم کے صہیب رومی رضی اللہ عنہ ان کو معاشرے میں ایک اونچا مقام ملا اور کہیں بھی کسی موقع پر ان حضرات کو اجنبیت کا احساس نہیں ہوا، اسی طرح اہل مکہ اس مواخات کی بنا پر اہل مدینہ کے ساتھ ایسے مانوس ہو گئے جیسے اپنے ہی عزیز و اقارب کے درمیان ہوں، یہ مواخات درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ایک تکوینی نظام تھا کہ جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تالیف قلب عطا کر دی تھی، چنانچہ قرآن میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے :

مآالفت بین قلوبھم ولکن اللّٰہ الف بینھم (۱۲)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) نے ان کے درمیان تالیف قلب نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت ڈالی ہے''

۳۔ معاشی بنیاد:-

معاشی بنیاد کے لحاظ سے بھی اس مواخات کے اثرات رونما ہوئے، لہٰذا ان مہاجرین کو جو اپنے وطن اور گھربار سے لٹے پٹے آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت بنا دیا اور اہل انصار کی مدد کی بنا پر مہاجرین کو بھرپور معاشی استحکام ملا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنے مواخاتی بھائی حضرت سعد بن ربیع کی راہنمائی سے چھوٹے پیمانے پر تجارت کا آغاز کیا اور چند ہی روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں :

تزوجت امرأۃ من الانصار (۱۳)

خود ان کا قول ہے کہ میں خاک پر ہاتھ ڈالتا تو وہ سونا بن جاتی، روایت کے الفاظ یہ ہیں :

فلقد رایتنی ولو رفعت حجرا لرجوت ان اصیب ذھبا وفضۃ (۱۴)

ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تمام

شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ (۱۵)

بعض صحابہ نے دکانیں کھولیں ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کارخانہ مقام سخ میں تھا، وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ (۱۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بنوقینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ (۱۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ (۱۸)

الغرض مواخات کے ذریعہ مسلمانوں کے معاشی مسائل کو اللہ تعالیٰ نے حل فرمادیا، اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مواخات نے مسلمانوں کی معاشی بنیاد کو مستحکم کیا جو درحقیقت اسلام کا معاشی طور پر مستحکم ہونا تھا اور یہ وقت کی اہم ضرورت بھی تھی۔

۴۔ سیاسی بنیاد :-

سیاسی لحاظ سے بھی مواخات کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل رہا، اس لئے کہ تبلیغ اسلام کے لئے ضروری تھا کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت کا وجود حاصل ہو کہ جس کے زیرنگیں ہو کر اقوام عالم کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا جائے تاکہ اس کے نتیجہ میں اگر کوئی طاقت اسلام کی تعلیم وتبلیغ کو روکنے کی کوشش کرے تو پھر اس کا مقابلہ کرنا آسان ہو اور ایسی کفریہ طاقتوں کو بزور طاقت کچلا جا سکے، مواخات کے ذریعہ مدینہ منورہ میں ایک ایسی ہی اسلامی سلطنت وجود پذیر ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے کفر اور اہل کفر اس کے سامنے ریت کی ڈھیر ثابت ہوئے، چنانچہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق وغیرہ میں اسی بات کا ظہور ہوا اور مسلمان ایک آزاد سلطنت اسلامی کی فضا میں سانس لینے لگے اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ مرکز اسلام اور ابتدائے اسلام کی سرزمین مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئی یعنی ''فتح مکہ'' کا واقعہ پیش آیا اور ساتھ ہی غزوۂ حنین اور ہوازن وثقیف کے معرکے بھی پیش آئے اور اسی رشتۂ اخوت کی بنا پر انصار ومہاجرین دشمنان اسلام پر غالب آتے رہے اور پھر

دعوت اسلام دیگر سلاطین تک پہنچائی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدین اس دور کی عالمی قوتوں یعنی قیصر و کسریٰ کے دربار میں جا پہنچے اور وہاں کے ایوانوں میں اسلام کا کلمہ بلند کیا اور ان سے واضح طور پر کہہ دیا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ

لنخرج العباد من عبادة العباد الی عبادة رب العباد (۱۹)

ترجمہ: ہم تمہارے پاس اس کلمہ کی دعوت کو لے کر اس لئے آئے ہیں تاکہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر انہیں بندوں کے پروردگار کی بندگی میں لگا دیں۔

الغرض ان تمام بڑے معرکوں اور اس عظیم سلسلہ کا چلانا اور اس کو آگے بڑھانا، اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کی بنیاد ایسی مضبوط ہو کہ جس میں ذرہ برابر بھی پیچ و خم نہ ہو اور جو حضرات تاریخ انسانی کے اس سنہری دور کی بنیاد بننے والے تھے وہ آپس میں اس انداز سے ایک دوسرے کے قریب ہوں کہ ان کی صفوں میں کوئی دراز نہ ڈالی جا سکے اور جس کو قرآن نے ان الفاظوں سے تعبیر کیا:

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص (۲۰)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے راستے میں ایک صف ہو کر قتال کرتے ہیں اللہ ان کو پسند کرتا ہے کہ وہ سیسہ پگلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں (یعنی باہم ایسے مربوط ہیں کہ ان کے درمیان کسی قسم کی دراز نہیں ڈالی جا سکتی اور نہ ہی ان کو منتشر

کیا جا سکتا ہے)

اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شہنشاہی ہے، اس سلطنت الٰہی کے لئے وزراء، ارباب تدبیر، سپہ سالاران لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں، چنانچہ شرف صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درسگاہ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا سکیں، اس بنا پر جن لوگوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاذ اور شاگرد میں اتحاد و مذاق موجود ہو، جو تربیت پذیری کے لئے ضروری ہے، تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا، دونوں میں یہ اتحاد و مذاق محوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت و مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا تقریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے۔ (۲۱)

خلاصہ یہ کہ مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا تھا کہ ان لٹے پٹے مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان سلطنت اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی برکتوں سے ایک ناقابل تسخیر اسلامی سلطنت وجود میں آئی اور دنیا والوں نے اپنی مشاہدے کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ اسلام صرف عبادات کے اعمال کا نام ہی نہیں بلکہ وہ ایک ایسا سیاسی نظام بھی پیش کرتا ہے، جس کے اصول مذہب اسلام کی طرح صاف و شفاف ہیں، غرض یہ کہ مواخات نے مسلمانوں کی سیاسی بنیاد کو بھی مستحکم کیا۔

مواخات مدینہ کے اہم پہلو:

اس مواخات پر اگر غور کیا جائے تو چند اہم پہلو سامنے آتے ہیں جن کو ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مہاجرین کے لئے وطن اور اہل وعیال سے مفارقت کی وحشت اور پریشانی انصار کی الفت و موانست سے بدل جائے۔

۲۔ ضرورت کے وقت دونوں ایک دوسرے کے معین و مددگار ہوں اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کے غمگسار ہوں۔

۳۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہو جبکہ ضعیف قوی کے لئے قوت بازو بنے۔

۴۔ اعلیٰ شخص، ادنیٰ شخص کے فوائد سے اور ادنیٰ اعلیٰ کے منافع سے مستفید ہو۔

۵۔ مہاجرین و انصار کے منتشر دانے ایک رشتۂ مواخات میں منسلک ہو کر شئی واحد بن جائیں گویا کہ تشتت اور تفرق کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

۶۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور جو تفرق اور اختلاف بنی اسرائیل کی بلاکت اور بربادی کا سبب بنا، یہ امت اس سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اس اجتماع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ان کے سر پر ہو۔

۷۔ زمانۂ جاہلیت کے تفاخر اور مباہات کا کوئی فاسد مادہ قلب میں باقی ہو تو اس رشتۂ اخوت سے اس کا استیصال اور قلع قمع ہو جائے اور قلوب کے اندر بجائے تفاخر اور نخوت و تکبر کے تواضع و مسکنت اور مواسات بھر جائے۔

۸۔ خادم و مخدوم، غلام و آقا محمود و ایاز سب ایک ہی صف میں آجائیں۔

۹۔ دنیا کے سارے امتیازات مٹ کر صرف تقویٰ اور پرہیز گاری کا شرف باقی رہ جائے۔

۱۰۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو غیر مسلم اقوام کے لئے عملی نمونہ ہو کہ جن کے کردار و اعمال کو دیکھ کر کفار دائرہ اسلام میں داخل ہوں۔

۱۱۔ معاشی اعتبار سے جانبین کو استحکام نصیب ہو۔

۱۲۔ ایک ایسی سلطنت کا وجود رونما ہو جہاں اسلام کی شان و شوکت کا مظاہرہ ہو اور کفریہ طاقتیں اس کو کچلنا بھی چاہیں تو کچل نہ سکیں۔

۱۳۔ اسلامی احکام و اعمال پر پر سکون انداز میں عمل پیرا ہوا جا سکے۔

مواخات مدینہ کن حضرات کے درمیان ہوئی:۔

یہ مواخات ہجرت سے پانچ ماہ بعد پینتالیس (۴۵) مہاجرین اور پینتالیس (۴۵) انصار کے مابین حضرت انسؓ کے مکان میں ہوئی۔ (۲۲)

اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنایا گیا، جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
۲۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
۳۔حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
۴۔حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
۵۔حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	حضرت سلامہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ
۶۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	حضرت اولیس بن ثابت رضی اللہ عنہ
۷۔حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
۸۔حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۹۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ
۱۰۔حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ
۱۱۔حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

۱۲۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

۱۳۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۱۴۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

۱۵۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

۱۶۔ حضرت ابومرثد رضی اللہ عنہ

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

۱۸۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ

۱۹۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

۲۰۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

۲۱۔ حضرت عبیدۃ بن حارث رضی اللہ عنہ

۲۲۔ حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ

۲۳۔ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

۲۴۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

۲۵۔ حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ

۲۶۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ

۲۷۔ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ

۲۸۔ حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ

۲۹۔ حضرت عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ

۳۰۔ حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ

۳۱۔ حضرت سرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ

حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ

حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ

حضرت سفیان خزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت رافع بن معلی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

حضرت یزید بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت مبشر بن منذر رضی اللہ عنہ

حضرت منذر بن محمد رضی اللہ عنہ

حضرت عبدہ بن خشخاش رضی اللہ عنہ

۳۲۔حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	حضرت زید بن مزین رضی اللہ عنہ
۳۳۔حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	حضرت مجذر بن ذمار رضی اللہ عنہ
۳۴۔حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ
۳۵۔حضرت مجع مولیٰ عمر محمد رضی اللہ عنہ	حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۳۶۔حضرت جعفر رضی اللہ عنہ	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۳۷۔حضرت عبدالرحمن الخثعمی رضی اللہ عنہ	حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۳۸۔حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ	حضرت طلیب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۳۹۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ	حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ
۴۰۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ	حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ (۲۳)

مواخاتِ مدینہ کا اصلاح معاشرہ میں کردار:۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ معاشرہ کی نظیر تا قیامت نہیں مل سکتی اور یہ کہ روئے زمین پر اس سے قبل ایسا پاکیزہ اور تقویٰ گزار معاشرہ کبھی قائم نہیں ہوا تھا، صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ایسے نفوس مقدسہ کا وجود اس دنیا میں ظاہر ہوا کہ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ انبیاء کرام کے بعد امتیوں میں ایسے اوصاف کے حامل انسان اس دنیا میں کبھی نہیں آئے اور نہ آئیں گے۔

درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اس معاشرہ کی اصلاح کی بنیاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کارنامہ ہے جسے مواخات مدینہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ آگے چل کر معاشرے کے اصلاحی پہلوؤں میں اسی مواخات کا کردار نمایاں رہا اور اس مواخات کی بنا پر مہاجرین وانصار کے درمیان جو خیریں تھیں وہ وجود میں آئیں، چنانچہ اہل مدینہ کی انصار ہونے کی صفت کا

ظہور بھی اسی مواخات کی مرہونِ منت ہے اور واقعتہ انہوں نے انصار ہونے کا حق ادا کیا، چنانچہ جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت ان حضرات نے دیا، اولین و آخرین میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے، زر اور زمین، مال اور جائیداد سے جو مہاجرین کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ تو کیا ہی ہے، اس سے بڑھ کر جس انصاری کی دو بیویاں تھیں، اس نے اپنے مہاجر بھائی سے کہد یا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دیتا ہوں، طلاق کے بعد آپ اس سے نکاح کرلیں۔ سبحان اللہ کیا جذبہ تھا یہ صرف مواخات ہی کی برکات تھیں۔

غرض یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ مدنی زندگی کے دور میں قائم ہونے والے معاشرے کی اصلاح میں مواخات کا کردار کلیدی رہا کہ کسی بھی معاشرے کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ اہل معاشرہ کے اندر درج ذیل اوصاف ہوں :

۱۔ آپس میں اخوت اور بھائی چارگی کا جذبہ ہو۔
۲۔ ایک دوسرے کے غم ومصیبت میں کام آنے کا جذبہ ہو۔
۳۔ اپنے اوپر دوسروں کے جو حقوق متعلق ہوں ان کی ادائیگی کا جذبہ ہو۔
۴۔ دوسروں کی جانب سے پیش آنے والی تکالیف پر صبر کا مظاہرہ ہو۔
۵۔ اپنی ذات سے کسی بھی فرد کو تکلیف نہ دینے کا عزم وارادہ ہو۔
۶۔ بالخصوص اپنے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کے جذبہ سے ہر فرد لبریز ہو۔
۷۔ اپنی عزت کی طرح دوسرے کی عزت بھی پیاری ہو۔
۸۔ جو چیز اپنے لئے پسند ہو، وہی اپنے بھائی کے لئے پسند ہو۔
۱۰۔ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ ہو۔
۱۱۔ تعلیمات نبوی ہر حال میں اور ہر وقت میں مقدم ہوں

۱۲۔ اسلامی تشخص کا حتی الامکان احترام ہو۔

۱۳۔ دنیاوی مصالحتوں کی بناء پر احکام الہیہ کے اندر تغیر و تبدیلی کا جذبہ نہ ہو۔

۱۴۔ بڑوں کے اندر چھوٹوں پر شفقت اور چھوٹوں میں بڑوں کی عزت کرنے کا جذبہ ہو۔

۱۵۔ فکر آخرت کا جذبہ ہر آن اور ہر گھڑی دل میں راسخ ہو۔

غرض یہ کہ مواخات کے ذریعہ مذکورہ تمام اوصاف رونما ہوئے اور انصار و مہاجرین پر مشتمل اسلامی معاشرہ ان ہی اوصاف کی جیتی جاگتی تصویر بنا، ایک دوسرے کے لئے مرمٹنا اور غم خواری اور مواسات اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دینا، یہ ان حضرات کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی، جس کی قرآن نے ان الفاظ میں مدح سرائی کی ہے :

محمد رسول الله و الذين معهٗ اشداء على الكفار رحماء بينهم ترهم ركعاً سجداً يبتغون فضلا من الله و رضوانا سيماهم في وجوههم من اثر السجود ذلك مثلهم في التوراة و مثلهم في الانجيل (۲۴)

ترجمہ: محمد رسول اللہ (ﷺ) اور وہ حضرات جو ان کے ساتھ ہیں، کفار پر بڑے سخت ہیں (جبکہ) آپس میں بہت رحم کا معاملہ کرنے والے ہیں، اے مخاطب! جب تو انہیں دیکھے گا تو رکوع اور سجدہ کی حالت میں انہیں پائے گا کہ جس میں وہ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی متلاشی ہیں، بالخصوص ان کے چہروں میں سجدوں کے نشانات ہیں، یہ وہی

لوگ ہیں جن کی مثال توراۃ اور انجیل میں دی گئی ہے۔

چنانچہ یہ مواخات ہی کی برکات تھیں کہ ان حضرات کو ایک دوسرے کے قریب ہونے اور ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، تقویٰ گزاری، اخلاص و عمل سب اسی مواخات کے عمل کی مرہونِ منت تھیں۔

مواخات سے حاصل ہونے والا سبق:-

رہتی دنیا تک ہر مسلم معاشرہ کے اصلاحِ احوال اور معاملات کی درستگی کے لئے مواخات سے جو سبق ملتا ہے وہ یہی ہے کہ جب تک کسی معاشرہ کے افراد کے اندر خیر القرون کے افراد کے وہ اوصاف و اخلاق پیدا نہیں ہونگے، جو ان حضرات مقدسہ کے اندر صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیدا ہوئے تھے، اس معاشرے کے افراد ناقص کہلائیں گے اور ان پر مشتمل معاشرہ ناقص ترین معاشرہ ہوگا، جس سے دشمنی، افراتفری، بے چینی، بدامنی ہی جنم لے گی اور آج ہم اپنے معاشرہ پر طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمیں اس معاشرے کا عشر عشیر تک حاصل نہیں، جس کی داغ بیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی تھی۔

آج اسلام کے پیروکار صنعتی، اقتصادی، سائنسی ترقی کی رو سے یقیناً دورِ زوال میں ہیں، مغرب کی علمی و صنعتی برتری ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، اس صنعتی برتری سے فائدہ اٹھا کر مغربی تہذیب بھی اپنی پوری چمک دمک، آب و تاب کے ساتھ اسلامی تمدن، اسلامی روایات، اسلامی اخلاق و اقدار پر حملہ آور ہے اور اس تلخ حقیقت کے اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہونی چاہئے کہ یہ تہذیب عالم اسلام کے ایک بڑے طبقے پر فتح حاصل کر چکی ہے، اس کی تابانیوں کے سامنے، اس کی آنکھیں خیرہ، اس کا دل گرویدہ، اس کا دماغ مسحور اور اس کا شعور مفلوج اور عمل مفلوج ہو چکا ہے، بدقسمتی سے اسلامی اور مغربی کلچر و گیمر کے کارزار میں بری طرح شکست کھانے والا یہ طبقہ اسلامی ملکوں کا صاحب حیثیت اور صاحب اقتدار طبقہ ہے، مسلمانوں کے اس جدید تعلیم یافتہ

اور صحیح لفظوں میں مغربی تعلیم یافتہ طبقے کا مغربی تہذیب و اخلاق سے اس طرح متاثر ہونا ایک المیہ ہے، عظیم المیہ، انسانیت کا المیہ، عالمِ اسلام کا المیہ، اسلامی تاریخ کا المیہ!!

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس بدیہی حقیقت کی طرف اس طبقے کی نظر نہیں گئی کہ وہ محروم القسمت شخص جس نے زندگی، مادی ترقی کی جزئیات تک سے آگاہی میں گزاری، کائنات کے سربستہ رازوں سے واقف رہا اقتصادی بلندیوں پر پہنچا، صنعتی انقلاب کے نقطۂ عروج سے ہوآیا، جدید سہولتوں سے زندگی کی تلخیوں اور مشقتوں کو رام کیا لیکن خیر القرون کے اس معاشرے کی دھول بھی حاصل نہ کرسکا کہ جس معاشرے کے مؤمن نے پسماندہ بستیاں دیکھیں، اجڑے دیار، خستہ مکانات دیکھے، ٹھنڈے چولہے، کچی دیواریں، تپتی تپتی چھتیں، بوسیدہ پوشاک ہوئے پل، بنجر کھیت، جلے جنگل، ویران زمینیں آسائش سے خالی مشقتوں کے قافلے، بیماریوں کے طویل سلسلے دیکھے، سفر کی صعوبتیں دیکھیں، حضر کی تکلیفیں دیکھیں، دن دیکھے جن کا کوئی پرسان نہیں تھا، رات دیکھیں جن کی کوئی صبح نہیں تھی لیکن جب دنیا سے اس کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو زندگی کے ہزار طوفانوں کے باوجود اس درماندہ اور تھکے ماندہ مسافر کے دلِ بے تاب میں ایمان کا چراغ روشن تھا، تعلیم نبوی تھی اور ابدی سعادت کی مشعل اس کے ہاتھ میں تھی، یقیناً یہ مؤمن کامیاب و بامراد ہے، لیکن مذکورہ وہ شخص جو اس معاشرے کی تعلیم سے ناواقف ہے، جب وہ مرے گا تو ناکام، خسارے اور مکمل خسارے کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگا۔

انہیں کون اس حقیقت سے آگاہ کرائے کہ دنیا کے سنگریزے جمع کرنے کی غرض سے شرفِ انسانیت کے نیلام میں بولی لگانے کے لئے آگے بڑھنے والے بدنصیب اس دولت سے محروم ہیں جو ایمان کے سعادت مندوں اور اسلام کے ان خوش نصیبوں کو میسر ہے جنہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ معاشرے کو اپنی دنیاوی اور اخروی نجات کا مدار سمجھا۔ صنعتی وسائل، سائنسی تجربات اور مادی ترقی میں مغرب سے استفادے کی ضرورت اور حاجت سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن جہاں

تک تعلق ہے عقیدے، تہذیب، اخلاق اور زندگی کی اقدار و روایات کا، اس میدان میں دنیا کا کوئی مذہب اسلام کے ان فرزندوں کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا جنہوں نے اپنے نقوش پا میں تہذیب و ثقافت اور قدروں کا خورشید منور کیا۔

بدقسمتی سے اس وقت روئے زمین پر کوئی ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہیں جو ایک طرف جدید مادی ترقی سے مکمل آراستہ ہو، دوسری طرف وہاں اسلام، مغربی تہذیب کی پرچھائیوں سے بالکل محفوظ و سالم ہو کر زندگی کے تمام شعبوں میں پورا پورا نافذ اور جاری ہو

لہٰذا جو شخص یا جو جماعت کسی ملک میں ایسے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں کامیاب ہو جائے جس میں صنعتی، سائنسی، ٹیکنالوجی اور مادی ترقی پورے عروج پر ہو اور اس کے ساتھ مواخات مدینہ کے کردار کی جھلک بھی اس میں نمایاں ہو اور اس کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی اخلاق و ثقافت کسی تحریف کے بغیر رائج ہو ایک ایسا مسلمان معاشرہ، جس میں مغرب کے بظاہر خوشنما لیکن درحقیقت جذام زدہ نظام اخلاق و تہذیب سے مرعوبیت کا ذرہ بھر بھی شائبہ نہ ہو، مادی وسائل سے لیس ہونے کے ساتھ اس میں اسلام کی ایک ایک تعلیم اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو زندگی کے ہر ہر شعبہ میں پورے فخر، مکمل یقین اور بھرپور اعتماد کے ساتھ اختیار کیا ہو۔ ایسا مسلمان معاشرہ جو دور جدید کے تقاضوں سے مکمل ہم آہنگ ہونے کے باوصف دوسری قوموں کی تہذیبوں اور ان کے بدحال معاشروں کو پورے احساس برتری کے ساتھ یہ کہہ کر رد کر دیتا ہو کہ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان کے قائم کردہ معاشرہ کی اتباع ہی کافی ہے۔

ان اوصاف کا حامل معاشرہ دورِ جدید کا وہ کامیاب ترین تاریخی معاشرہ ہوگا جس میں خیر القرون کے معاشرے کی جھلک ہوگی، ایک ایسا معاشرہ، جس کی آغوش میں سکون پانے کے لئے سسکتی انسانیت پروانہ وار دوڑے گی۔

وہ مسلمان مفکرین و مصنفین جو مرعوبیت کی بنا پر اپنے تہذیبی ورثے اور اخلاقی میراث کے متعلق نہ صرف یہ کہ خود احساس کمتری کا شکار ہیں بلکہ دوسروں کو بھی مغربی تہذیب کی برتری کا درس دیتے ہیں، جن کی تحریروں میں چودہ سو سال پر پھیلی ہوئی بے مثال اسلامی تاریخ کی عبقری شخصیات، تاریخ اسلام کے عظیم الشان کرداروں اور اس کی لافانی سچائیوں کی خوشبو نہیں مہکتی، بلکہ وہ گذشتہ دو صدیوں میں گزرنے والے مغربی مفکرین اور یہودیت و عیسائیت کے علمبردار مستشرقین کے افکار و اقوال نقل کرنے میں فرمانبردار شاگرد کا رول ادا کر رہے، انہیں قرآن کریم کی اس آیت کا بغور جائزہ لینا چاہئے :

ولا تمدن عينيك الى ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحياة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى (۲۵)

ترجمہ: ''اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، جو ہم نے کفار میں سے مختلف لوگوں کو فائدہ اٹھانے کے لئے دی ہیں، یہ تو صرف دنیوی زندگی کی رونق ہے (اور یہ ان کو اس لئے دی ہے) تاکہ ہم انہیں اس میں آزمائیں اور (آخرت میں آپ کو ملنے والا) آپ کے رب کا عطیہ زیادہ بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے''۔

ایک اور مقام پر قرآن ہمیں جھنجھوڑتے ہوئے کہتا ہے :

لا يغرنك تقلب الذين كفروا في البلاد متاع قليل ثم ماواهم جهنم وبئس المهاد لكن الذين

اتقوا ربھم لھم جنت تجری من تحتھا الانھر
خلدین فیھا نزلا من عند الله وما عند الله خیر
للابرار (۲۶)

ترجمہ: ''آپ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا (اور ان کی گہما گہمی) دھوکے میں نہ ڈالدے کہ یہ تو چند دنوں کی بہار ہے (مرنے کے بعد) پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، لیکن جو لوگ مومن متقی ہیں، ان کے لئے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے (ان کی) مہمانی ہوگی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ نیکوکاروں کے لئے بہت ہی بہتر ہے۔

اے کاش! کہ مسلمان اپنی اس اقدار کا بھرم تا کہ قائم رکھیں اور واپس لوٹ چلیں پھر اس ڈگر پر، اس راستہ پر، اسی نشان پر جو ان کو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا:

لیکن ستم یہ ہے کہ امن وآشتی کا پیغام سنانے والا اسلام کا مسافر آج پھر تنہا ہے، چاروں طرف اس کو بیگانگی، اجنبیت اور مسافرانہ بے کسی نظر آرہی ہے، بتانا یہ ہے کہ یہ بیگانگی، کاروانِ اسلام کے لئے باعث خلش نہیں ہونی چاہئے کہ مبارک قرار دیئے گئے ہیں ایسے بیگانے، چنانچہ آج سے صدیوں پہلے زبان نبوت سے اس کی پیشن گوئی

ہو چکی ہے ارشاد ہے نبوی ہوا :

بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبی

للغرباء (۲۷)

ترجمہ: ''اسلام کا آغاز مسافرانہ بے کسی میں ہوا اور پھر وہ مسافرانہ بے کسی میں ہوگا، پس مسافرت کے بے کسوں کو مبارک باد ہو''

غرض یہ کہ مواخات مدینہ اور اس سے حاصل ہونے والا وہ بے نظیر معاشرہ آج ہم مسلمانوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آ جاؤ میری آغوش میں کہ سلامتی تمہاری مجھ ہی سے وابستہ ہے، چنانچہ جب تک ہم اپنے ماحول اور معاشرے کو، اس معاشرے کے اوصاف حمیدہ سے آراستہ و مزین نہیں کریں گے تو بھٹکتے قافلوں کی طرح صحراء میں گم ہو کر رہ جائیں گے کہ جن کی صدائیں سراب کو پانی نہیں کر سکتیں، مردے میں جان نہیں ڈال سکتیں، پیاس کو بجھا نہیں سکتیں، ہمیں اپنا وہ شاندار ماضی پھر دہرانا ہوگا اور اپنے اس عہد کو وفا کرنا ہوگا جس میں ہی ہماری عزت ہے۔

حوالہ جات

ل ضمیمہ نمبر ا،ص ۲۲۵

۱۔ ابن حجر عسقلانی ۔ فتح الباری ۔ بیروت، دار المعرفۃ، ۱۳۰۰ھ، ص ۲۱۰، جلد ۷

۲۔ مولانا ادریس کاندھلوی ۔ سیرت مصطفیٰ ۔ مدراس، دار الکتاب، ۱۳۵۸ھ، ص ۲۸۴، جلد ا

۳۔ قرآن، ۸:۷۲

۴۔ قرآن، ۹:۴۹

۵۔ ابن حجر عسقلانی ۔ فتح الباری، ص ۲۱۰، جلد ۷، محولہ بالا

۶۔ قرآن، ۵۳:۳

۷۔ قرآن، ۱۴:۲۴

۸۔ قرآن، ۴۹:۳۱

۹۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ ۔ سنن ترمذی ۔ کراچی، ایچ ایم سعید، ۱۴۰۷ھ، ص ۲۰، جلد ۲

۱۰۔ محمد بن یزید ۔ سنن ابن ماجہ ۔ کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء، ص ۲۹۲، جلد ا

۱۱۔ قرآن، ۵۹:۹

۱۲۔ قرآن، ۸:۶۳

۱۳۔ ابن کثیر ۔ البدایۃ والنہایہ ۔ بیروت، دار احیاء التراث، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۹، جلد ۲

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ابن الاثیر الجزری ۔ اسد الغابہ ۔ بیروت، دار المعرفہ، ۱۳۰۵ھ، ص ۳۱۴، جلد ۳

۱۶۔ محمد بن سعد ۔ الطبقات الکبریٰ ۔ بیروت، دار احیاء التراث، ۱۹۹۵ء، ص ۱۳۰، جلد ۳

۱۷۔ احمد بن حنبل ۔ مسند احمد ۔ بیروت، دار احیاء التراث، ۲۰۰۰ء، ص ۶۲، جلد ا

۱۸۔ ایضاً، ص ۴۰۰، جلد ۴

۱۹۔ مولانا محمد یوسف۔ حیات الصحابہ۔ لاہور، کتب خانہ فیضی، ۱۹۹۴ء، ص ۳۱۰، جلد ۲

۲۰۔ قرآن، ۴:۲۱

۲۱۔ سلیمان ندوی۔ سیرت النبی۔ کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، ۱۳۶۴ھ، ص ۲۸۹، جلد ۱

۲۲۔ ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری، ص ۲۱۰، جلد ۷، محولہ بالا

۲۳۔ امام ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایہ، ص ۲۳۸، جلد ۱، محولہ بالا

۲۴۔ قرآن، ۴۸:۲۹

۲۵۔ قرآن، ۲۰:۱۳۱

۲۶۔ قرآن، ۳:۱۹۷

۲۷۔ مسلم بن حجاج۔ صحیح مسلم۔ کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء، ص ۸۴، جلد ۱

باب چھارم:

میثاق مدینہ______ تفصیلی مطالعہ

The Treaty of Madina____ A Comprehensive Study

ہجرت نبوی ﷺ کے وقت مدینہ کے حالات:۔

جہاں مکہ کی فضا دعوت نبوی ﷺ کے لئے سازگار ثابت نہیں ہوئی وہاں مدینہ کی فضا انتہائی سازگار ثابت ہوئی اور تاریخ سے ثابت ہے کہ مدنی دور میں مکی دور کی نسبت کم ہونے کے باوجود دعوت اسلامی نے خوب ترقی کی۔اس کی کئی وجوہات تھی ایک وجہ مکہ کا مربوط معاشرہ اور مدینہ کا منتشر معاشرہ تھا۔

محترم نعیم صدیقی مکہ اور مدینہ کے ماحول کا فرق یوں بتاتے ہیں۔

> ''مکہ اور اس کے ماحول کی ساری آبادی باہم دیگر مربوط تھی اور مذہبی قبیلوں اور معاہداتی بندھنوں سے بندھی ہوئی تھی اور قریش کا اس پر بھرپور تسلط تھا لیکن مدینہ اور اس کے ماحول میں دو مختلف عناصر آباد تھے جن کے درمیان کچھاؤ موجود تھا''۔(۱)

اوپر کی عبارت میں جن دو عناصر کا ذکر ہے وہ بھی آپس میں مزید تقسیم تھے۔اوس اور خزرج نامی دو بڑے قبیلے برسوں سے آپس میں لڑائیوں میں مصروف تھے اور ہجرت سے کچھ ہی عرصہ پہلے بعاث

نامی جنگ ہوئی تھی جس میں سینکڑوں افراد مارے گئے تھے۔ انصار اور یہود کے آپس کے تعلقات بھی اچھے نہیں تھے۔ مدینہ کی معیشت پر یہود کا قبضہ تھا اور عام لوگ سود در سود کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے یہود کو مذہبی قیادت بھی حاصل تھی اور انصار اس پہلو سے تہی دامن تھے۔ ان حالات میں لوگ فطری طور پر امن کے خواہاں تھے اور ایک نبی ﷺ کی آمد کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اور نبی ﷺ کی آمد کے بارے میں ان کے ہاں روایات بھی موجود تھیں۔ (۲) اس طرح جب لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا پتہ چلا تو بڑھ چڑھ کر قبول حق کے لئے آگے بڑھے۔

مدینہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل:۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مکی دور میں توحید، رسالت، آخرت، کتب سماوی اور ملائکہ پر ایمان لانے پر زور دیتے رہے تھے۔ اور مسلمان ان اصولوں پر ایمان کی وجہ سے نظریاتی طور پر متحد و متفق تھے۔ اس طرح ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ایک فکری بنیاد پہلے ہی سے موجود تھی۔ چونکہ ہجرت مدینہ کی وجہ خالصتاً نظریاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین نے صرف ایک نظریے کے تحت اپنے گھر بار، خاندان اور رشتے داروں سے جدائی اختیار کی تھی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے دین ہی کو معاشرے کی تشکیل کی بنیاد قرار دیا۔ اور اسی بنیاد پر مہاجرین وانصار کے مابین مواخاۃ کا رشتہ قائم کر کے ایک طرف مہاجرین کی معاشی ضروریات اور دوسری طرف انصار کی تعلیم و تربیت کا زبردست انتظام کر دیا۔ مہاجرین کے رشتہ داروں سے کٹ جانے کا غم دور ہوا۔ اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن کر ایک منظم معاشرے کا حصہ بن گئے۔

اسلامی معاشرے کے لئے دستور کی ضرورت:۔

اوپر کی بحث سے واضح ہو گیا کہ مدینہ میں تین اہم عناصر مہاجرین، انصار اور یہودی موجود تھے۔ مہاجرین بے سروسامانی کی حالت میں مکہ سے مدینے آئے تھے وہ انصار کی ہر طرح کی مدد کے مستحق تھے۔ دین میں سبقت کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں ان کو معزز مقام حاصل تھا۔

انصار مدینے کے باشندے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خود مدینہ آنے کی دعوت دی تھی اور ہر طرح کی مدد و حمایت کا پختہ وعدہ کیا تھا۔ مواخاۃ کے ذریعے مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن چکے تھے۔

مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مدینہ میں یہودیوں کا ایک بااثر طبقہ بھی موجود تھا اور ان کو مدینہ میں سیاسی، معاشی اور مذہبی تفوق حاصل رہا تھا۔ مدینہ کے سیاسی مستقبل میں اس طبقے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہودیوں کے بعض قبائل کے قریش مکہ کے ساتھ سیاسی، سماجی اور تجارتی تعلقات بھی تھے۔ قریش مکہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خیر و عافیت کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے پر بے حد غم و غصے میں مبتلا تھے۔ اور کسی طرح مسلمانوں اور دین اسلام کی بھلائی برداشت نہیں کر سکتے تھے ان کی طرف سے مسلمانوں کو مسلسل خطرہ لاحق تھا۔

مدینہ میں انصار اور یہود کے تعلقات بھی اچھے نہیں تھے۔ بلکہ انصار کی اپنی خانہ جنگی بھی ماضی قریب کا حصہ تھی۔ جنگ بعاث نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے باہم کبھی متحد نہ ہو جائیں۔ (۳)

جنگ بعاث کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے

''جس وقت رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا تو انصار کے معززین متفرق و منتشر اور ان کے روٴسا قتل ہو چکے تھے اور زخم کھا کھا کر بہت خستہ و نزار ہو گئے تھے''۔ (۴)

ان حالات میں ضروری تھا کہ مدینہ کے تینوں اہم عناصر کو ایک دستور پر اکٹھا کیا جائے جس میں سب کے حقوق و فرائض متعین ہوا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کمال درجہ بصیرت سے

ایک جامع دستور مرتب کیا اور معاشرے کے تمام عناصر سے تسلیم کرایا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے۔

میثاق مدینہ کے معاشرتی پہلو اور ان کے اثرات:۔

میثاق مدینہ کا متن دراصل ایک مسلسل عبارت ہے جو ابن ہشام نے ''السیرۃ النبویۃ'' میں نقل کیا ہے۔(۵) اور جس کا ذکر تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ ابن کثیر (۶) اور دیگر مورخین اور سیرت نگاروں نے بھی کیا ہے۔ اردو سیرت نگاروں نے اس کا ذکر بالعموم بہت مختصر کیا ہے۔ اس لئے ہم اپنے مضمون کی بنیاد اصل عربی متن جو ابن ہشام نے نقل کیا ہے، کو بناتے ہیں لیکن مسلسل عبارت کو نقل کرنے کی بجائے ہم اس کو نکات میں تقسیم کر کے ذیلی عنوانات کے تحت لاتے ہیں تاکہ تفہیم میں آسانی ہو۔

دستور کی نوعیت:۔

دستور کا آغاز ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد النبی ﷺ سے کیا گیا ہے۔ جس سے دستور کی اسلامی نوعیت اور نظریاتی اساس کا پتہ چلتا ہے۔ دستور کے آغاز ہی میں مدینہ کے باشندوں سے تسلیم کرایا گیا ہے کہ مدنی معاشرہ میں اب اصل بول بالا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہوگا۔

دستور کے آغاز میں ہی لفظ ''کتاب'' استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ کوئی دوطرفہ اختیاری معاہدہ نہیں ہے بلکہ باقاعدہ ایک فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی وضاحت ہم مضمون کی شروع میں کر چکے ہیں۔ اور مدینہ کے باشندوں کے حقوق شہریت دستور سے مکمل وفاداری کے ساتھ مشروط رکھے گئے ہیں۔ تمام حقوق ظلم اور گناہ سے بچنے کے ساتھ ساتھ مشروط رکھے گئے ہیں۔

(الا من ظلم و اثم۔۔۔۔)

دستور میں معاشرتی عناصر کی حیثیت :۔

دستور کے آغاز ہی میں یہ ذکر ہے کہ یہ دستور دراصل مہاجرین اور انصار کے درمیان ہے اور مدنی معاشرے کے اصل باشندے یہی ہیں (هذا كتاب من محمد النبی ﷺ بين المومنين و المسلمين من قريش و يثرب) یہودیوں اور دیگر عناصر کی حیثیت مسلمانوں کے لواحقین اور تبعین کی رکھی گئی ہے جن کا کام مسلمانوں کا اتباع ہے۔

(و من تبعهم فلحق بهم)اور ان کے حقوق اتباع کے ساتھ مشروط رکھے گئے ہیں۔

معاشرتی جرائم کا انسداد :۔

عرب معاشرہ بنیادی طور پر قبائلی معاشرہ تھا۔ ان کے ہاں یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ قیدیوں کا فدیہ اور مقتولین کی دیت پورا قبیلہ اجتماعی طور پر ادا کرتا تھا۔ دستور مدینہ میں اس روایت کو برقرار رکھ کر قانونی حیثیت دے دی گئی اور اس کے طریقہ کار کو ہر قبیلے کے رسم ورواج پر چھوڑ دیا گیا اور ساتھ ہی اس کو عدل وانصاف کے ساتھ مشروط کیا گیا (المهاجرون من قريش علی ربعتهم يتعاقلون بينهم و هم يفدون عانيهم بالمعروف و القسط)اور اسی طرح دوسرے قبائل کے نام مذکور ہیں۔

اس روایت کا معاشرتی فائدہ یہ تھا کہ جرائم پر قابو پانا آسان ہو جاتا تھا کوئی فرد بھی جرم کے معاملے میں اپنے قبیلے کی حمایت سے محروم ہو جاتا تھا۔ ورنہ کوئی فرد انفرادی طور پر جرم کر کے راہ فرار اختیار کر سکتا تھا اور اس طرح اس وقت کے غیر منظم معاشرے میں اس کو انصاف کے کٹہرے میں لانا مشکل ہوتا تھا۔ اس لئے قبیلے کو تاوان میں شامل کیا گیا تا کہ قبیلے والے جرائم پیشہ افراد پر خود ہی نظر رکھے اور ان کی حوصلہ شکنی کرے کیونکہ جرم کی صورت میں تاوان اور بدنامی میں پورا قبیلہ نقصان اٹھاتا تھا۔ تاوان کو بھی عدل وانصاف کے ساتھ مشروط رکھا گیا۔

اس کا دوسرا پہلو معاشرتی تعاون کا ہے۔ کہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے معاملے میں بوجھ صرف ایک فرد پر پڑنے کے بجائے پورا قبیلہ بوجھ اٹھانے میں شریک ہو تو آسانی رہتی ہے۔

باہمی تعاون اور بھائی چارہ:۔

مسلمانوں سے دیت اور فدیہ کے معاملے میں تعاون کے ساتھ ساتھ اپنے بے بس اور مقروض مسلمان بھائیوں کے بے یار و مددگار چھوڑنے سے بھی بچنے کا مطالبہ کیا گیا (ان المو منین لا یتـرلو ن مفر حا بینهم ان یعطو ہ بالمعرو ف فی فدا او عقل)اس طرح باہمی تعاون اور ایثار پر مشتمل معاشرہ تشکیل دیا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کے درمیان اخوت، بھائی چارے اور دوستی کے تعلقات تشکیل دیئے جاتے ہیں (ان المو منین بعضهم مو الی بعض الناس)

معاشرتی انتشار سے بچاؤ:۔

مدنی معاشرہ میں حلیف و مولیٰ کے رشتوں کو بلا اجازت فریقین بدلنے کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ اس صورت میں معاشرے کے افراد کے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے تھے اور معاشرے میں انتشار پھیل جاتا تھا۔ دستور میں بھی یہ پابندی لگادی گئی کہ کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو، کوئی مومن اس کے آقا کی اجازت کے بغیر حلیف نہیں بنائے گا (وان لا یـحـا لف مـو مـن مـو لـی مـو مـن من دو نه)۔ دستور میں یہ پابندی لگائی گئی تاکہ معاشرہ کمزور ہونے کی بجائے مستحکم ہو اور یہی معاشرتی استحکام مستقبل میں رسول اللہ ﷺ کو دعوت کی توسیع اور مشن کی کامیابی کے لئے خاص طور پر مطلوب تھا۔

معاشرتی ظلم وفساد کا خاتمہ:۔

متقی مومنین کا فرض قرار دیا گیا کہ ہر اس شخص کی متحد طور پر مخالفت کریں جو مسلمانوں میں فساد، بغاوت، ظلم و زیادتی یا بدعنوان کام کرے خواہ یہ بدعنوان شخص ان میں سے کسی کا بیٹا ہو۔

(و ان المو منین المتقین....ان ایدیھم علیه جمیعا.....ولو کان و لد احد ھم)۔

جس معاشرے میں گناہ اور ظلم زیادتی کو روکنے کا ایسا اجتماعی نظام موجود ہو اس میں معاشرتی جرائم باقی کیسے رہ سکتے ہیں۔ جس معاشرے میں بیٹے کے لئے بھی قانون میں گنجائش نہ ہو وہاں دوسرے کیسے جرم کی سزا سے بچ سکتے ہیں اور مسلمانوں کے اس طرز عمل کو تقوی کی صفت قرار دے ان کے اندر کے ضمیر اور خوف خدا کے احساس کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔

جان کا تحفظ :۔

کسی بھی مہذب معاشرے میں انسانی جان کا احترام بنیادی حق کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ بنیادی حقوق میں یہ سب سے اول نمبر پر ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

> ''انسان کے تمدنی حقوق میں اس کا اولین حق زندہ رہنے کا ہے اور اس کے تمدنی فرائض میں اولین فرض زندہ رہنے دینے کا ہے۔ جس قانون اور مذہب میں اسے تسلیم نہ کیا گیا ہو وہ نہ تو مہذب قانون بن سکتا ہے اور نہ اس کے ماتحت رہ کر کوئی انسانی جماعت پرامن زندگی بسر کر سکتی ہے''۔(۷)

اسی بنیادی اور اولین حق کا دستور مدینہ میں اس طرح تحفظ کیا گیا ہے کہ جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دے اور اس کی شہادت واضح ہو تو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور مقتولین کے ورثاء راضی اور مطمئن ہو جائے۔ تمام مسلمان قاتل کے خلاف ہوں گے اس کی مخالفت کے سوا ان کے لئے اور کچھ بھی جائز نہ ہوگا۔ (من اغتبط مو منا قتلا عن بینه فا نه قو د به....و المو منین علیه کا فة و لا یحل لھم الا قیام علیه) یہاں پر مسلمانوں کا خصوصی ذکر ان کے سماجی تفوق ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح کسی مسلمان کے قتل میں کسی کی مدد و حمایت سے قانوناً تمام افراد کو روک دیا گیا۔ (و لا

یقتل مو من مو منا فی کافر ولا ینعر کافرا علی مو من)

اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کی جان و مال بھی محفوظ کیا گیا ہے۔ جب تک وہ اطاعت و فرمانبرداری سے رہے۔ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جا سکتی ہے۔(غیر مظلو مین ولا متنا صرین علیھم) بلکہ مظلوم ہونے کی صورت میں ان کی ہر طرح مدد لازم کردی گئی ہو(ان النصر لمظلوم)

معاشرتی مساوات:۔

دستور میں کسی ادنیٰ مسلمان کا بھی یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر لازم کردی گئی۔ کیونکہ اس کی پناہ اللہ کی پناہ ہے(و ان ذمۃ اللـــــہ واحـدہ،یجیر علیھم ادناھم)اس طرح معاشرے میں پناہ گزین کو پناہ دہندہ کے برابر مقام دیا گیا(ان الـجار کا لنفس)لیکن پناہ گزین کو کسی ظلم وزیادتی اور گناہ کی کھلی چھوٹ نہیں دی گئی۔ بلکہ اس کو بھی جرائم سے بچنے کا پابند کیا گیا۔

معاشرہ کے دونوں اہم عناصر مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کو برابر یہ حق دیا گیا کہ ایک صلح کرے تو دوسرا بھی صلح کرنے کا پابند ہوگا۔(و اذا دعو الیٰ صلح یصا لحو نہ ویلبسو نہ فا نھم یصا لحو نہ و یلبسو نہ۔۔۔۔)

اس طرح یہودیوں کے معاہداتی رشتہ داروں کوحقوق اور ذمہ داریوں میں عام اور اصلی یہودیوں کے برابر مان لیا گیا۔(و ان بطا نہ یھو د کانفسھم)

مذہبی رواداری:۔

دستور میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی (للیھو د دینھم و للمسلمین دینھم)
مسلمان اپنے دین پر اور یہودی اپنے عقائد پر قائم رہیں گے۔ان کے مذاہب الگ الگ ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے دینی اور مذہبی امور میں مداخلت نہیں کریں گے اگر وہ ایک دوسرے کو قتل کریں

گے تو ان سے از روئے عدل و انصاف مواخذہ ہوگا۔

اطاعت کی شرط کے ساتھ مسلمانوں پر لازم کیا گیا کہ وہ یہودیوں کی مدد و حمایت کریں گے اور ان کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور نہ خود ان پر ظلم کریں گے (فان لہ النصر و الا سو ۃ غیر مظلو مین ولا متنا صر ین علیھم)

مدینے کے دفاع میں تو وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے لیکن مذہبی لڑائیوں میں استثنیٰ حاصل ہو گی۔ (الاحا رب فی الدین)

دونوں بڑے عناصر مسلمانوں اور یہودیوں کو پابند کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوص سے خیر خواہی چاہے گے اور ان کا شیوہ آپس میں وفاداری کا ہوگا اور ایک دوسرے کے ساتھ عہد شکنی نہیں کریں گے۔ (و ان بینھم النصح و الفیحہ و البر دو ن الا ثم ....و انہ لم یا ثم امر بحلیفہ)۔

مدینہ میں امن وامان کا قیام:۔

مدینہ، جہاں برسہا برس سے قتل و خونریزی اور آپس کی لڑائیاں معمول بن چکی تھی اور لوگ فطری طور پر ان لڑائیوں سے تنگ آ چکے تھے، وہاں امن قائم کرنا اور ایسے شہر کو حرم قرار دینا ایک انقلابی اقدام تھا۔لوگ اگر چہ فطری طور پر قتل و خونریزی سے تنگ آ چکے تھے لیکن مدینہ میں کسی مناسب تنظیم اور قیادت کا وجود نہ تھا وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔نعیم صدیقی لکھتے ہیں۔

> ''انصار کے دونوں قبیلے، جو ۱۲ ضمنی قبائل میں بٹے ہوئے تھے
> ایک تاریخ آویزش رکھتے تھے اور عام آبادی بھی تصام در
> تصادم کے چکر سے تھکی ہوئی تھی کیونکہ ہمیشہ کچھ عرب اور کچھ
> یہودی ایک طرف اور کچھ عرب اور کچھ یہودی دوسری طرف
> ہوکر جنگ و جدل میں پڑتے رہتے تھے اب امن کی پیاس

وجود تھی اس مقصد سے ایک تعمیری قیادت کی طلب درکار
تھی''۔(۸)

اس لئے دستور میں وادی یثرب کو حرم قرار دیا گیا(ان یثرب حرام جو فھا لا ھل ھذہ الصحیفة)اہل عرب ایسے شہر کو حرم کہتے ہیں۔ جہاں قتل وقتال جائز نہ ہو اور جہاں جان و مال کو مکمل تحفظ حاصل ہو۔

دستور میں مذکور ہے کہ جو اس شہر سے باہر جائے یا اندر قیام کرے امن سے رہے گا مگر ظلم وزیادتی اور گناہ کے استثنیٰ کے ساتھ۔ جو بجائے خود امن کے لئے تباہ کن ہے۔

اسلام کے معنی ہی امن وسلامتی ہے اور رسول اللہ کی دعوت آغاز ہی سے اس اصول پر مبنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو شہر امن قرار دے کہ دعوت کے لئے ماحول کو انتہائی سازگار بنادیا۔ اور اس طرح لوگ اپنے فطری جذبہ امن کی تسکین پا کر اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے لگے۔

بیرونی خطرات سے دفاع:۔

مشرکین قریش نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مسلسل تیرہ سال تک طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہجرت پر مجبور کردیا تھا لیکن آپ ﷺ اور مسلمانوں کی صحیح وسلامت ہجرت کر کے مکہ سے نکل جانے پر وہ برہم تھے۔ دوسرا یہ کہ وہ مدینہ میں اسلام کی ترقی کو اپنے مستقبل کے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے آغاز ہی سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کیں۔ اس طرح مدینہ میں مہاجرین کو مشرکین مکہ سے مسلسل خطرات لاحق تھے۔ مشرکین مکہ نے ہجرت کے فوراً بعد ہی اہل مدینہ سے مہاجرین کو نکالنے کا مطالبہ کردیا تھا۔(۹)

ان حالات میں مدینہ کے اہم عناصر کے درمیان یہ طے پا جانا کہ وہ بیرونی حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ بے حد اہمیت رکھتا ہے۔(ان بینھم علیٰ ذھم یثرب)دفاعی اخراجات بھی دونوں فریقوں کے درمیان تقسیم کئے گئے۔(ان الیھو دینفقون موالمومنین مادامو

محاربین)۔ دستور میں یہ بھی طے پایا کہ قریش اور ان کے حامیوں کو پناہ دی جائیگی ۔ اس پر تبصرہ کر تے ہوئے ڈاکٹر نثار احمد لکھتے ہیں۔

''اس منشور میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ مدینہ کی پوری آبادی میں ایک بھی متنفس علی الاعلان قریش کی مدد و اعانت کرنے والا نہ ہوگا اور اس کے خلاف پورا مدینہ جسم واحد کی طرح اٹھ کھڑا ہوگا۔ تاریخ کے ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم کے لئے بھی یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کو ذاتی طور پر بھی اور آپ کی قائم کردہ ریاست کو مجموعی طور پر بھی سب سے بڑا خطرہ قریش کی طرف سے لاحق تھا۔ اس لئے ریاست میں محض اندرونی امن و امان اور استحکام قائم کر دینا ہی کافی نہ تھا۔ بلکہ اس سے زیادہ ضرورت قریش کے متوقع حملے کی روک تھام کی تھی ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ دور س نے اس خطرہ (بلکہ فوری ضرورت) کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے منشور کی متعدد دفعات کے تحت یہ انتظام کر دیا کہ اہل یثرب کے لئے قریش کے ساتھ حلیفانہ تعلقات یا دوستانہ روابط کا موقع ہی نہ رہے اور قریش کی حیثیت اہل یثرب کے لئے مشترکہ دشمن کے ہو جائے''۔ (۱۰)

اس طرح مدنی معاشرہ اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ ہوا اور دعوت و تربیت کی رفتار بڑھی ۔

رسول اللہ ﷺ نے صرف مدینہ کی تمام جماعتوں سے ہی قریش کے خلاف یہ ضمانت حاصل نہیں کی بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ کر یہ کمال تدبر و فراست، مدینہ سے لے کر ینبوع کی بندرگاہ تک کے علاقے میں رہنے والے قبائل کو یا تو معاہدات کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لیا یا امان نامے دے کر اپنے اختیار کو منوالیا۔ اور یا پھر انہیں کم از کم قریش کی امداد و اعانت سے کنارہ کش رہنے پر آمادہ کر دیا یہ اہم کارنامہ آپ نے صفر تا جمادی الآخر ۲ھ کی قلیل مدت میں انجام دیا۔ (۱۱)

رسول اللہ ﷺ ــــ مدنی معاشرے کے دستوری سربراہ:۔

چونکہ مدینہ کے یہود اور انصار کے آپس میں تعلقات اچھے نہیں تھے۔ انصار میں بھی قبائلی تنازعات تھے۔ اور مدینہ میں کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی۔ جس پر تمام طبقات کا اتفاق ہو۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ ہی مدینے کے سربراہ اور حاکم تسلیم کئے گئے۔ جس کے پاس تمام اختلافی مسائل پیش کئے جائیں گے۔ اور آپ کے فیصلے دستوری اختیارات کے تحت لاگو کئے جائیں گے۔ مسلمان تو پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کو زندگی کے ہر شعبے میں پیشوا مان چکے تھے اور غیر مشروط اطاعت کا اقرار کر چکے تھے اب یہود نے بھی رسول اللہ ﷺ کی مذہبی نہیں تو سیاسی اور معاشرتی سربراہی کا اقرار کر لیا۔

حاصل تحقیق:۔

دستور کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک متوازن دستاویز ہے۔ جو رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دستور مدینہ میں معاشرے کے تمام طبقات کے حقوق و فرائض متعین طور پر مذکور ہیں۔ کسی بھی اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے پر کوئی زیادتی نہیں کی گئی۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کے درمیان مساوات قائم کی گئی۔ قانون سے کسی کو بالاتر نہیں رکھا گیا۔ تمام لوگوں کو ہر معاملے میں عدل و انصاف کا پابند کیا گیا۔ سماجی برائیوں کا قلع قمع کیا گیا۔ قتل و خونریزی اور سرکش لوگوں کو امن کا خوگر بنا دیا گیا۔ معاشرے کو اندرونی انتشار سے محفوظ کیا گیا اور بیرونی خطرات سے حفاظت کی ذمہ داری

تمام عناصر آبادی پر ڈال دی گئی۔ جرائم کی حوصلہ شکنی اور قانونی بندش کے ذریعے معاشرتی تطہیر کی گئی۔ باہمی تعاون اور اخوت پر مبنی ایک نظریاتی معاشرہ قائم کیا گیا۔ جس میں اقلیتوں کے لئے مکمل مذہبی آزادی اور سماجی وقانونی تحفظ حاصل ہو۔ جس میں ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت ہر حال میں لازم ہو۔ اور اس معاشرے میں اٹھنے والے تمام تنازعات کے حل کے لئے حکم رسول اکرم ﷺ کی رحمدلی اور مہربان شخصیت قرار دی گئی۔

دستور مدینہ کے نتیجے میں بننے والے منظم اور تربیت یافتہ معاشرے کا یہ ریکارڈ تاریخ میں موجود ہے کہ بے سرو سامانی کی حالت میں جنگ بدر کے موقع پر اپنے سے تین گنا بڑی قوت کو شکست فاش دی۔ دستور مدینہ کے نتیجے میں فراہم ہونے والا پر امن معاشرہ اور اس میں مسلمانوں کی سیاسی بالادستی ہی کا نتیجہ تھا کہ مدنی دور کی دس سالہ جد و جہد سے پورا جزیرۃ العرب اسلام کے نور سے منور ہوا۔ حالانکہ اس سے پہلے مکہ کے تیرہ سالہ دور میں چند سو لوگ مسلمان ہوئے اور وہ بھی مکہ میں طرح طرح کے ظلم وستم کے شکار تھے۔

دستور مدینہ کے نظام اخوت نے ترقی کرتے کرتے حجۃ الوداع کے عظیم موقع پر عالم اسلام کی عظیم برادری کی شکل اختیار کر لی۔ جس میں کالے، گورے اور عرب وعجم کے تمام امتیازات مٹ گئے۔

دستور مدینہ کے دور رس اثرات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت جہاں عام افراد معاشرہ تک پہنچانا ضروری ہے وہاں اس کی مکمل کامیابی کے لئے قانون اور ریاست کی طاقت کا ہونا بھی بے حد اہم ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی اور اس میں دعوت کی رفتار سے ہم اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، لاہور، الفیصل ناشران کتب، ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۸

۲۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۹۷، جلد ۱

۳۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۴ء، ص ۱۷۶، جلد ۱

۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کراچی، نور محمد کتب خانہ، ۱۹۶۱ء، ص ۵۳۳، جلد ۱

۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ص ۱۴۷۔۱۵۰، جلد ۲، محولہ بالا

۶۔ حافظ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، قاہرہ، دارالدیان للتراث، ۱۹۸۸ء، ص ۲۲۳، جلد ۳

۷۔ مولانا مودودی، الجہاد فی الاسلام، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۶۲ء، ص ۱

۸۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۲۰۸، محولہ بالا

۹۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ص ۹۷، جلد ۱، محولہ بالا

۱۰۔ ڈاکٹر نثار احمد، نقوش رسول نمبر، ص ۱۰۸، جلد ۵، محولہ بالا

۱۱۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ص ۱۰۱، محولہ بالا

باب پنجم :

حضور اکرم ﷺ کے یہود مدینہ کے ساتھ معاملات

Prophets Treatment of the Jews

یہود کے مختصر حالات :-

آنحضرت ﷺ کے ہجرت مدینہ سے قبل مدینہ منورہ میں اکثر بیشتر آبادی اوس اور خزرج کے قبائل کی تھی مگر عرصہ دراز سے یہاں یہود بھی آباد تھے اور ان کی کثیر تعداد تھی مدینہ منورہ اور خیبر میں ان کے علمی مراکز بھی قائم تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے بھی تھے یہ لوگ چونکہ اہل کتاب تھے اس لئے سرزمین حجاز میں مشرکین کے مقابلے میں ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔ ان لوگوں کو کتب سماویہ کے ذریعہ نبی آخرالزماں کے احوال و اوصاف کا بخوبی علم تھا جیسا کہ خود قرآن نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَ هُمْ. (۱)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کو یہ یہودی ایسا پہچانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

مگر ان لوگوں کی طبیعت میں سلامتی نہ تھی اور بالخصوص آنحضرت ﷺ کا ولد اسماعیل میں سے ہونا اس بناء پر عناد اور جحود اور استکبار جو پہلے ہی سے ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا انہوں

کیا آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکار کیا بلکہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے اس وقت بھی یہود قریش کو نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں اکساتے رہے اور ان کو تلقین کرتے رہے کہ آپ ﷺ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوالات کرو وغیرہ وغیرہ۔ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کی آتش حسد اور عناد اور مشتعل ہوگئی اور یہ سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہونے کو ہے چنانچہ ان میں سے جو اہل ہوا و ہوس تھے انہوں نے حق کی عداوت میں اپنے پچھلوں کا اتباع کیا۔

علمائے یہود میں جو صالح اور سلیم الفطرت تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا اتباع کیا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے مگر اکثریت معاندانہ رویہ اختیار کرنے والوں کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے حسد اور عناد اور فتنہ و فساد کے انسداد کے لئے ان سے ایک تحریری معاہدہ کیا تاکہ ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی نہ ہو اور مسلمان ان کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہیں۔

یہ معاہدہ ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد ہوا جس میں ان کو اپنے دین اور اپنے اموال و املاک پر برقرار رکھ کر حسب ذیل شرائط پر ان سے ایک تحریری عہد لیا گیا۔

یہود کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے معاشرتی معاملات:-

درج بالا معاہدہ کی بنا پر چونکہ یہود کی حیثیت ذمیوں کی سی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ تقریباً ذمیوں والے معاملات کئے اور ہر ہر موقع پر تفریق مذہب کی رعایت کو شامل حال رکھا مثلاً: اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں سننے والے کو یرحمک اللہ کہنا چاہئے جیسا کہ حدیث میں ہے:

قال اذا عطس احدکم فلیقل الحمدللّٰہ فاذا قال
الحمدللّٰہ فلیقل لہٗ اخوہ او صاحبہٗ یرحمک اللّٰہ
ولیقل ھو یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم. (۲)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی
کو چھینک آئے تو الحمدللہ کہے جب یہ الحمدللہ کہے
تو اس کے بھائی یا اس کے ساتھی کو (جواب میں)
یرحمک اللہ کہنا چاہیئے اور پھر وہ چھینکنے والا کہے
یھدیکم اللہ ویصلح بالکم. (یعنی اللہ تعالیٰ تم کو
ہدایت دے اور تمہارا حال درست فرمائے)

البتہ یہودی وکافر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں وہ اگر چھینکے تو اس سلسلہ میں تعلیم نبوی ﷺ یہ ہے کہ فقط
یھدیکم اللہ اور یصلح بالکم کہا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

الیھود یتعاطسون عندالنبی ﷺ رجاء ان یقول
لھم یرحمک اللہ فکان یقول یھدیکم اللہ
ویصلح بالکم .(۳)

ترجمہ: یہود آنحضرت ﷺ کے پاس آکر چھینکا کرتے
تھے اس امید پر کہ آپ ان کے لئے یرحمک اللہ
فرمائیں مگر آپ فرماتے تھے یھدیکم اللہ ویصلح
بالکم.

یہودیوں کے سلام کا جواب :-

اسی طرح آپس کی ملاقات میں شریعت نے سلام کرنے کی تعلیم دی ہے اور اس کے بے حد
فضائل بتائے ہیں البتہ یہود جب آپ ﷺ کو سلام کیا کرتے تھے تو آپ ﷺ ان کے جواب میں

فقط وعلیکم فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ جواب دینا ان کی شرارت ہی کی بنا پر تھا چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر یہودی تم میں سے کسی کو سلام کرے تو در حقیقت وہ السام علیک کہتا ہے (جس کا معنی تم پر ہلاکت ہوتے ہیں) تو تم بھی جواب میں وعلیک کہا کرو (یعنی ہلاکت تم ہی پر ہو)۔ (۴)

یہود کے ساتھ بعض اُمور میں موافقت :-

البتہ جن اُمور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا تو اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا طریقہ عمل یہ ہوتا جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

وکان النبی ﷺ یحب موافقة اهل الکتاب فیما لم یومر فیه. (۵)

ترجمہ: آنحضرت محمد ﷺ ان احکام میں جن میں کہ کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہوتا ان میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرمایا کرتے تھے۔

مثلاً : سر کے بالوں کے سلسلہ میں مشرکین مانگ نکالنے والا عمل کرتے تھے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ بغیر مانگ کے بالوں کو اوپر کی طرف بنایا کرتے تھے، آپ ﷺ بھی اُنہی کی موافقت میں اسی طرح بال بنایا کرتے تھے لیکن بعد میں آپ ﷺ بیچ کی مانگ نکالا کرتے تھے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

کان یسدل شعرهٔ وکان المشرکون یفرقون رء

وسھم و کان اھل الکتاب یسدلون رء وسھم
.... ثم فرق النبی ﷺ راسهٗ. (۶)

یہود کے ساتھ عدل کا معاملہ :-

باوجود اس کے کہ یہود کو جس شدت کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے عداوت تھی، آپ ﷺ کا عمل ان کے ساتھ انتہائی برادرانہ ہوا کرتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ایک یہودی نے برسرِ بازار کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی" ایک صحابی کھڑے یہ سن رہے تھے ان سے رہا نہ گیا انہوں نے پوچھا کیا محمد ﷺ پر بھی؟ اس نے کہا "ہاں" ان صحابی نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا، آنحضرت ﷺ کے عدل و انصاف پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے ان صحابی پر برہمی کا اظہار فرمایا۔ (۷)

یہود کے مریضوں کی عیادت :-

آنحضرت ﷺ نے یہود کے بیماروں کی عیادت بھی کی جیسا کہ حدیث میں ہے:

عن انسؓ قال کان غلام یھودی یخدم النبی ﷺ
فمرض فاتاہ النبی ﷺ یعودہ فقعد عند راسه
فقال لهٗ اسلم فنظر الی ابیه وھو عندهٗ فقال اطع
ابا القاسم فاسلم. (۸)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا
آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ جب وہ بیمار ہوا
تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو

اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا
(گویا باپ کی رضامندی دریافت کی) اس کے والد نے
اس سے کہا کہ آپ ﷺ جو فرماتے ہیں اس کو بجالاؤ، تو وہ
مسلمان ہوگیا۔

یہودی کے جنازے کے لئے کھڑا ہونا :-

آنحضرت محمد ﷺ کی یہود کے ساتھ حسن معاملہ کی یہ انتہا تھی کہ ایک مرتبہ سر راہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو گئے چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

عن جابر بن عبداللّٰہ قال مربنا جنازة فقام لها
النبی ﷺ وقمنا فقلنا یا رسول اللّٰہ انها جنازة
یهودی قال اذا رایتم الجنازة فقوموا. (۹)

یہود کے ذبیحہ کا حلال ہونا :-

آنحضرت محمد ﷺ نے اہل کتاب یعنی یہود کے ذبائح کو بھی حلال فرمایا اور چونکہ یہ ذبائح پر اللہ کا نام لیا کرتے تھے اس لئے اس کی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ حدیث میں ہے کہ :

جاء ت الیهود الی النبی ﷺ فقالوا اتا کل مما
قتلنا ولا تاکل مما قتل اللّٰہ فانزل اللّٰہ تعالیٰ ولا
تاکلوا ممالم یذکر اسم اللّٰہ علیه. (۱۰)

ترجمہ: یہود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کیا کہ آپ ہمارے ذبح شدہ کو تو کھاتے ہیں اور جو

طبعی طور پر مرجائے یعنی جس کو اللہ مار دے اس جانور کو نہیں
کھاتے تو اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ جس جانور
پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا جائے اسے مت کھاؤ۔

سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے حاشیہ میں ابن عباس اور دیگر تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ :

قال ابن عباس وابو امامة ومجاهد وسعيد بن
جبير و عكرمه وعطاء والحسن ومكحول
وابراهيم النخعي والسدى ومقاتل وابن حبان
هذا امر مجمع بين العلماء ان ذبائحهم حلال
للمسلمين لانهم لا يعتقدون الذبائح لغير الله
ولا يذكرون على ذبائحهم الا اسم الله. (۱۱)

ترجمہ: ابن عباس، ابوامامہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ،
عطاء، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی، مقاتل اور ابن حبان
فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہود اہل کتاب کا
ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے اس لئے کہ یہ ذبیحہ پر غیر
اللہ کے نام لینے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور اپنے ذبائح پر
صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے تھے۔

یہود کی تعلیمات سے اجتناب :-

البتہ تعلیم شریعت کے مقابلے میں اہل کتاب یعنی یہود کی تعلیم کا مطالعہ اور ان کی ذکر کردہ تفاسیر کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے ایک ٹھوس موقف اختیار کیا اور مسلمانوں کو ان کی تعلیمات

سے دور رکھنے کے بارے میں تاکید فرمائی تاکہ اسلامی تعلیمات کے اندر ان کی تحریفات اثر انداز نہ ہوسکیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

عن جابر عن النبی ﷺ حین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یھود تعجبنا افتریٰ ان نکتب بعضھا فقال امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصریٰ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیة ولو کان موسیٰ حیا ماوسعهٗ الا اتباعی۔ (۱۲)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو بڑی بھلی معلوم ہوتی ہیں تو کیا ہم ان کو لکھ لیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ان یہود و نصاریٰ کی طرح تم بھی حیران و سرگرداں ہو، حالانکہ میں تمہارے پاس بالکل واضح، صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر موسیٰ بھی میرے دور میں زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں ہوتا۔

یہود کی تعلیمات سے متعلق ضابطۂ نبوی ﷺ :-

آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیمات سے متعلق ایک ضابطہ یہ بھی بیان فرمایا کہ:

عن ابی ھریرةؓ قال کان اھل الکتاب یقرء ون

التورٰۃ بالعبرانیة ویفسرونها بالعربیة لاهل الاسلام فقال رسول ﷺ لا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوهم وقولوا آمنا بالله وما انزل الینا وما انزل الیکم. (۱۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب (یہود) عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور ہمارے سامنے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے (اس بارے میں ہم نے آنحضرت ﷺ سے معلوم کیا کہ ہمیں کیا موقف اختیار کرنا چاہئے) آپ ﷺ نے فرمایا ان کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب البتہ یہ کہا کرو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ اس نے ہمارے اوپر نازل کیا اس پر ایمان لائے اور جو کچھ تمہارے اوپر نازل کیا اس پر ایمان لائے۔

اس حدیث کی تفسیر میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

فالتوراۃ من اللّٰه تعالیٰ وتفسیر ها من افعال العباد. (۱۴)

یعنی تورات تو درحقیقت من جانب اللہ ہے البتہ اس کی تفسیر افعال عباد میں سے ہے۔

تو یہ بات واضح ہوگئی کہ جو امور ہماری شریعت میں واضح طور پر ثابت شدہ ہیں اور یہودی تفسیر اس کے مطابق ہے کہ تو اس صورت میں تو ان کی تصدیق کی جائے گی جیسے حضرت موسیٰ علیہ

السلام کا نبی ہونا ہماری شریعت میں بھی ثابت ہے، اسی طرح وہ امور جو ہماری شریعت سے متصادم ہیں اس بابت ان اہل یہود کی تکذیب کی جائے گی جیسے یہود کا یہ کہنا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ امور میں نہ تو ان کی تصدیق کی جائے گی اور نہ ہی ان کی تکذیب۔

یہود کی اپنی شریعت میں تحریفات کی بنا پر مسلمانوں کے لئے بہتر یہی تھا کہ ان کی کتاب تورات کے پڑھنے سے باز رہا جائے چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر تورات کے پڑھنے کی بنا پر ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا،

عن جابر ان عمر بن الخطابؓ اتی رسول اللّٰہ ﷺ بنسخة من التورٰۃ فقال یا رسول اللّٰہ ﷺ ھذہ نسخة من التورٰۃ فسکت فجعل یقرأ ووجه رسول اللّٰہ ﷺ یتغیر فقال ابو بکر ثکلتک الثواکل ماتریٰ بوجه رسول اللّٰہ ﷺ فنظر عمر الی وجه رسول اللّٰہ ﷺ فقال اعوذبک من غضب اللّٰہ ومن غضب رسوله ...... فقال رسول اللّٰہ ﷺ والذی نفس محمد بیدہ لو بدالکم موسی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی .(۱۵)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لائے اور کہنے

لگے کہ اللہ کے رسول! یہ توراۃ کا نسخہ ہے، آپ ﷺ یہ سن کر خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس میں سے پڑھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ کے چہرے پر غصہ کی وجہ سے تغیر آنے لگا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں، کیا آپ آنحضرت ﷺ کے چہرے پر غصہ کے آثار نہیں دیکھ رہے، حضرت عمرؓ نے جب آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر ڈالی تو گھبرا کر کہنے لگے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصہ سے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ تمہارے سامنے ظاہر ہو جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تو تم سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ گے، بلکہ حضرت موسیٰ اگر زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو انہیں بھی میری اتباع کے علاوہ چارہ کار نہیں ہوتا۔

یہود کی بدعہدیوں پر مواخذہ :-

آنحضرت ﷺ نے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے جہاں تک ہو سکا یہود کے ساتھ حسن معاملہ فرمایا اور ان کے تحت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کیا، یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آیا تو مسلمانوں کی بلا وجہ جانبداری نہ فرمائی۔

باوجود اس کے کہ یہود میثاق مدینہ کے پابند تھے لیکن اپنی فطری بدعہدی اور سازشی عنصر کی بناء پر انفرادی اور اجتماعی طور پر بدعہدی کرتے رہے اور اپنی حرکتوں کی بناء پر اسلام کو پامال کرنا چاہا

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور چور ہو گئے ۳ھ سے لیکر ۷ھ تک متواتر ان سے لڑائیاں پیش آئیں اور آخر فتح خیبر پر ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔

ذیل میں ان انفرادی بدعہدیوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن کی بنا پر دربار نبوت سے ان مفسدین یہود کے لئے قتل کے احکام صادر ہوئے۔

(۱) عصماء یہودیہ کا قتل :-

۲۵ رمضان ۳ھ کو عصماء نامی یہودی عورت کے قتل کا واقعہ پیش آیا یہ آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہا کرتی تھی اور لوگوں کو آپ ﷺ اور اسلام سے برگزشتہ کرتی۔ بدر سے واپسی سے قبل پھر اسی قسم کے اس نے اشعار کہے، عمیر بن عدی کو سنتے ہی جوش آ گیا اور انہوں نے یہ نذر مانی کہا آپ ﷺ بدر سے صحیح سالم واپس آ گئے تو اس کو ضرور قتل کروں گا۔

آنحضرت ﷺ کی بدر سے واپسی کے بعد عمیر شب کے وقت تلوار لے کر روانہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہو گئے چونکہ نابینا تھے اس لئے عصماء کو ہاتھ سے ٹٹولا اور بچے جو اس کے اردگرد تھے ان کو ہٹایا اور تلوار کو اس کے سینہ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پشت سے پار ہو گئی۔

نذر پوری کرنے کے بعد واپس ہوئے اور فجر کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ ادا کی اور واقعہ کی اطلاع دی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر اس بارے میں کچھ مواخذہ تو نہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا ينتطح فيه عنزان (۱۶)

ترجمہ: اس بارے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی

یعنی یہ ایسا فعل ہی نہیں کہ جس میں کوئی سی قسم کا اختلاف کر سکے، انسان تو درکنار بھیڑ بکریاں بھی اس میں اپنے سینگ نہ ٹکرائیں گی۔

(۲) ابوعفک کا قتل :-

شوال کے شروع مہینہ ۲ھ میں ابوعفک یہودی کے قتل کا واقعہ پیش آیا یہ بھی آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتا اور آپ ﷺ کی مخالفت پر لوگوں کو ابھارا کرتا تھا سالم بن عمیرؓ نے اس کا کام تمام کیا۔ (۱۷)

(۳) سردار یہود کعب بن اشرف کا قتل :-

کعب بن اشرف یہودی بھی آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو صبر اور تحمل کا حکم فرماتے رہے لیکن جب یہ اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو آپ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابی نے اس دشمن رسول ﷺ کو واصل جہنم کیا۔ (۱۸)

(۴) یہودی تاجر ابورافع کا قتل :-

ابورافع ایک بڑا مالدار یہودی تاجر تھا اس کا نام عبداللہ بن ابی الحقیق تھا، خیبر کے قریب رہتا تھا، آنحضرت ﷺ کا سخت دشمن تھا اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا۔ یہی شخص غزوۂ احزاب میں قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف چڑھا کر لایا اور بہت زیادہ ان کی مالی مدد کی۔

قبیلہ خزرج کے چند صحابی عبداللہ بن عتیک، مسعود بن سنان اور عبداللہ بن انیس اور ابوقتادہ، حارث بن ربعی اور خزاعی بن اسود آنحضرت ﷺ کی اجازت سے اس کے قتل کے لئے روانہ ہوئے چنانچہ نصف جمادی الاخری ۳ھ میں ان حضرات نے اس دشمن رسول ﷺ کو ہلاک کیا۔ (۱۹)

(۵) اسیر بن زارم کا قتل :-

اسیر بن زارم یہودی، ابو رافع کے بعد اپنی قوم کا امیر مقرر ہوا اور اس نے بھی آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آنحضرت ﷺ نے ماہ رمضان میں عبداللہ بن رواحہ کو تین صحابہ کی جماعت کے ساتھ اس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا اور ان حضرات نے اسے قتل کر کے دربارِ نبوت میں خوشخبری دی۔ (۲۰)

یہود کے ساتھ غزوات :-

قبائل یہود جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ نقض کے مرتکب ہوئے تو ان قبائل کے ساتھ یکے بعد دیگرے معرکہ ہوئے اور بالآخر سب کے سب اپنے انجام بد کو پہنچے۔

(۱) غزوۂ بنی قینقاع ''۱۵ شوال ۲ھ''

غزوۂ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنو قینقاع کو ایک بازار میں جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ اے یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو اس لئے کہ تم بھی واضح طور پر یہ جانتے ہو کہ میں من جانب اللہ اللہ کا رسول ہوں اور یہ بات تم اپنی کتاب توراۃ میں پڑھ چکے ہو۔ آنحضرت ﷺ کی یہ بات سن کر ان بدنصیبوں نے کہا :

يا محمد انك ترانا قومك لا يغرنك انك لقيت قوماً لا علم لهم بالحرب.

ترجمہ: اے محمد! شاید آپ ہم کو اپنی قوم جیسا سمجھتے ہیں کہ جنہیں طریقۂ جنگ سے واقفیت نہیں تھی غرض یہ کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور اپنے کفر پر مصر رہے۔

قال ابن اسحق وحدثني عاصم بن عمر بن قتادة

ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نقضوا العهد
وحاربوا فيما بين بدر واحد.

ترجمہ: ابن اسحق فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث سنائی عاصم بن
عمر بن قتادہ نے کہ یہود میں سب سے پہلے نقضِ عہد کا
ارتکاب کرنے والے بنوقینقاع تھے چنانچہ غزوۂ بدر اور احد
کے درمیانی عرصہ میں ان سے جنگ پیش آئی۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو میثاق مدینہ کے حوالے سے بنی قینقاع اور بنی قریظہ اور بنی نضیر سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہم نہ آپ ﷺ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمن کو کسی قسم کی مدد فراہم کریں گے۔ مگر سب سے پہلے بنی قینقاع نے عہد شکنی کی اور نہایت درشتی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیا اور آمادۂ جنگ ہوئے۔

بنی قینقاع کی طرف خروج :-

یہ لوگ مضافات مدینہ میں رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنے بجائے حضرت الولبہ بن عبدالمنذر کو مقرر فرما کر بنی قینقاع کی طرف خروج کیا، ان لوگوں نے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا، آنحضرت ﷺ نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کئے رکھا، بالآخر مجبور ہو کر سولہویں روز یہ لوگ قلعہ سے اتر آئے، آپ ﷺ نے ان کی مشکیں باندھنے کا حکم دیا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی سفارش کی اور کہا یا محمد! احسن فی مزالی و کانوا حلفاء الخزرج یعنی اللہ کے رسول! ہمارے ان دوستوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمائیں کیونکہ یہ ہمارے قبیلہ خزرج کے حلیف ہیں۔

آپ ﷺ نے اس کی الحاوزاری کی وجہ سے ان کے قتل سے درگزر فرمایا، مگر مال و

اسباب لے کر جلائے وطنی کا حکم دے دیا اور مال غنیمت لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ ایک خمس خود لیا اور چار خمس غانمین پر تقسیم فرمائے، بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لیا۔ (۲۱)

غزوۂ بنی نضیر "ربیع الاوّل ۴ھ"

بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل نے ستر مسلمانوں کو شہید کروایا تھا اس کے بدلے کے طور پر عمرو بن امیہ ضمری صحابی نے بیر معونہ سے واپسی کے موقع پر بنو عامر کے دو مشرکوں کو قتل کر دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ان لوگوں سے عہد و پیمان تھا مگر عمرو بن امیہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے تو ہمارا عہد و پیمان تھا ان کی دیت اور خون بہا دینا ضروری ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں شخص کی دیت روانہ فرمائی۔

بنی نضیر بھی چونکہ بنی عامر کے حلیف تھے اس لئے از روئے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ جو بنی نضیر کے ذمہ واجب الادا تھا اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ اس دیت میں اعانت اور امداد لینے کی غرض سے بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور زبیر اور طلحہ اور عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ تھے۔ آپ ﷺ وہاں جا کر ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

بنی نضیر کا نقض عہد :-

بنو نضیر نے بظاہر خندہ پیشانی سے جواب دیا اور دیت میں شرکت اور اعانت کا وعدہ کیا لیکن اندرونی طور پر یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کر اوپر سے بھاری پتھر گرا دے تا کہ آپ ﷺ (العیاذ باللّٰہ) دب کر مر جائیں۔

لیکن وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو ان کی شرارت کی اطلاع کر دی گئی اور آپ ﷺ وہاں

سے اُٹھ کر آ گئے اور مدینہ آ کر بدعہدی کی بنا پر بنونضیر پر حملہ کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ اور جماعت صحابہؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ بنونضیر نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا اور اندر محصور ہو گئے۔ پندرہ روز تک محاصرہ میں رکھا اور ان کے باغوں اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا بالآخر خائب و خاسر ہو کر امن کے خواستگار ہوئے۔

بنی نضیر کے بارے میں فیصلہ :-

آپ ﷺ نے فرمایا دس دن کی مہلت ہے مدینہ خالی کردو اور عورتوں اور بچوں کو جہاں چاہے لے جاؤ باستثنائے سامان حرب جس قدر سامان اونٹوں اور سواریوں پر لے جا سکتے ہو اس کی اجازت ہے۔ یہودیوں نے مال کی حرص اور طمع میں مکانوں کے دروازے اور چوکھٹ تک اُکھاڑ لیئے اور جہاں تک بن پڑا اونٹوں پر لاد کر لے گئے اور مدینہ سے جلاوطن ہوئے اکثر تو ان میں سے خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور بعض شام چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے مال واسباب کو مہاجرین پر تقسیم فرمایا تاکہ انصار سے ان کا بوجھ ہلکا ہو۔ انصار میں سے صرف ابودجانہ اور سہل بن حنیف کو بوجہ تنگدستی اس میں سے کچھ حصہ عطا فرمایا۔

اس غزوہ بنونضیر میں صرف دو شخص مسلمان ہوئے یامین بن عمیر اور ابوسعید بن وہب ان کے مال واسباب سے کچھ تعارض نہیں کیا گیا اور یہ حضرات اپنی املاک پر قابض رہے۔ (۲۲)

(۲) غزوۂ بنی قریظہ ''ذوالقعدہ ۵ھ''

بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد حی بن اخطب مکہ گیا اور قریش کو رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ اور جنگ پر آمادہ کیا اس کے علاوہ کنانہ بن ربیع یہودی سردار نے بنی غطفان کو آپ ﷺ کے مقابلے کے لئے تیار کیا، نتیجہ قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو بنی قریظہ عہد توڑ کر قریش

سے مل گئے ۔ اللہ تعالٰی نے جب احزاب کو شکست دی تو بنی قریظہ قلعوں میں گھس گئے ۔ اللہ تعالٰی کی جانب سے حکم ہوا کہ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوں چنانچہ آنحضرت ﷺ خود بنفس نفیس روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ کیا، پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا۔ بالآخر مجبور ہو کر بنو قریظہ اس پر آمادہ ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ جو حکم دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ اوس کے ساتھ بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے لہٰذا اوس والوں نے درخواست کی کہ جس طرح خزرج اور بنی نضیر میں حلیفانہ تعلقات تھے اور خزرج کے التماس پر آنحضرت ﷺ نے بنی نضیر کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اسی طرح کا معاملہ ہماری استدعا پر بنو قریظہ کے ساتھ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا فیصلہ تم ہی میں کا ایک شخص کردے، اس پر انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! سعد بن معاذ جو فیصلہ کردیں وہ ہمیں منظور ہے۔

سعد بن معاذؓ کا فیصلہ :-

آپ ﷺ نے سعد بن معاذ سے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا فیصلہ تمہارے سپرد کیا ہے اب جو تم فیصلہ کرنا چاہو۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں ان کی بابت یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں سے لڑنے والے یعنی مرد قتل کردیئے جائیں اور عورتیں اور بچے اسیر بنائے جائیں اور ان کا تمام مال واسباب مسلمانوں میں تقسیم کرلیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا بے شک تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔

بنی قریظہ کے معاملہ میں اللہ تعالٰی نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتاب من
صیاصیهم وقذف فی قلوبهم الرعب فریقا

تقتلون و تاسرون فریقا و اورثکم ارضهم
ودیارهم واموالهم وارضا لم تطؤها وکان اللّٰه
علیٰ کل شئ قدیرا. (۲۳)

ترجمہ: اور جن اہل کتاب نے (ان مشرکین) کی مدد کی
تھی ان کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے قلعوں سے (جن میں وہ
محصور تھے) نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب
بٹھلا دیا (جس سے وہ اتر آئے اور پھر) بعض کو تم قتل کرنے
لگے اور بعض کو قید کر لیا اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور
ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر
تم نے (ابھی) قدم (تک) نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر
قدرت رکھتا ہے۔

بنی قریظہ کا انجام :-

خلاصہ یہ کہ تمام بنی قریظہ گرفتار کر لئے گئے اور مدینہ منورہ میں ایک انصاری عورت کے گھر میں انہیں محبوس رکھا گیا اور بازار میں ان کے لئے خندق کھدوائی گئیں بعد ازاں دو دو چار چار کو اس مکان سے نکلوایا جاتا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں ماری جاتیں۔ حی بن اخطب اور سردار بنی قریظہ کعب بن اسعد کی بھی گردن ماری گئی، عورتوں میں سوائے ایک عورت کے کوئی عورت قتل نہیں کی گئی جس کا جرم یہ تھا کہ اس نے بالا خانہ سے چکی کا پاٹ گرایا تھا جس سے خلاد بن سوید شہید ہوئے۔ بنو قریظہ کہ جن کی گردنیں ماری گئیں کل تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ (۲۴)

غزوۂ خیبر ''محرم الحرام ۷ھ''

حدیبیہ سے واپس ہو کر آنحضرت ﷺ جب مدینہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ خیبر پر چڑھائی کریں جہاں غدار یہود آباد تھے اور وہاں جمع ہو کر اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔

خیبر کی طرف خروج :-

محرم ۷ھ کو آنحضرت ﷺ نے خیبر کی طرف خروج فرمایا۔ ازواج مطہرات میں سے اُم المومنین حضرت ام سلمہ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ (۲۵)

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر رات کو پہنچے۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ رات میں کسی پر حملہ نہیں فرماتے تھے صبح کا انتظار فرماتے اگر اذان سنتے تو حملہ نہ فرماتے ورنہ حملہ فرماتے چنانچہ اسی سنت کے مطابق خیبر میں بھی صبح کی اذان کا انتظار فرمایا، جب صبح کی اذان نہ سنی تو حملہ کی تیاری کی۔ (۲۶)

خیبر کے قلعے اور ان کی فتوحات :-

خیبر میں یہود کے متعدد قلعے تھے، یہود آپ ﷺ کو دیکھتے ہی مع اہل وعیال کے قلعوں میں محفوظ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے قلعوں پر حملے شروع کئے اور یکے بعد دیگرے قلعے فتح کرتے گئے۔

قلعہ ناعم :-

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح فرمایا جیسا کہ روایت میں ہے:

قال ابن اسحق كان اول حصون خيبر فتحا
حصن ناعم وعنده قتل محمود بن مسلمة القيت
عليه رحى منه فقتلته. (۲۷)

ترجمہ: اس قلعہ کے فتح ہونے میں محمود بن مسلمہ شہید
ہوئے ان کے اوپر یہود نے چکی کا پاٹ پھینک کر انہیں قتل
کیا۔

قلعہ قموص :-

اس کے بعد قلعہ قموص فتح ہوا جو کہ خیبر کے قلعوں میں نہایت مستحکم تھا چنانچہ روایت میں ہے کہ:

قال بعث النبی ﷺ ابا بکرؓ الی بعض حصون
خيبر (حصن قموص) فقاتل ثم رجع ولم يكن
فتح وقد جهد ثم بعث عمرؓ فقاتل ثم رجع ولم
يكن فتح، فقال رسول اللّٰه ﷺ لاعطين الراية
غداً رجلا يحبه اللّٰه ورسولهٗ ويحب اللّٰه ورسولهٗ
لن يرجع حتى يفتح اللّٰه لهٗ فبتنا طيبة نفوسنا ان
الفتح غداً، فصلّى رسول اللّٰه ﷺ صلاة الغداة
ثم دعا باللواء وقام قائما فمامنا من رجل لهٗ منزلة
كانت لى منه، فدعا على بن ابى طالب وهو
يشتكى عينيه قال فمسحها ثم دفع اليه اللواء
ففتح لهٗ. (۲۸)

ترجمہ: حصن قموص کی فتح کے لئے آنحضرت ﷺ نے سب
سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مجاہدین کی جماعت
بھیجی، آپ نے بڑی جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن قلعہ
فتح نہ ہوسکا، اس کے بعد حضرت عمرؓ کی معیت میں ایک
جماعت کو روانہ فرمایا لیکن وہ بھی بغیر فتح کے واپس لوٹے،
آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں لشکر اسلام کا جھنڈا ایک
ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جس سے اللہ اور اس کے
رسول محبت کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول سے
محبت کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرما
دیں گے۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس خوشی کے ساتھ
رات گزاری کہ کل فتح نصیب ہوگی۔ صبح کی نماز
آنحضرت ﷺ نے پڑھائی پھر جھنڈا منگوایا، ہم میں سے
ہر شخص اس بات کا متمنی تھا کہ یہ فضیلت اس کے حصے میں
آئے، پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلوایا، ان کی آنکھوں
میں کچھ تکلیف تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنا دست
مبارک ان کی آنکھوں پر پھیرا وہ ٹھیک ہوگئے، پھر جھنڈا ان
کو عطا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح
فرمایا۔

قلعہ صعب بن معاذ :-

قموص کے فتح ہونے کے بعد قلعہ صعب بن معاذ فتح ہوا جس میں غلہ اور چربی اور خورد و نوش کا بہت سامان تھا وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمانوں کو خورد و نوش کی کمی ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، دوسرے ہی دن قلعہ صعب بن معاذ فتح ہوا اور خورد و نوش کا بہت سا سامان ہاتھ آیا جس سے مسلمانوں کو مدد ملی۔

چنانچہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فقالوا یا رسول اللّٰہ! لقد جھدنا وما با یدینا شیٔ، فلم یجدوا عند رسول اللّٰہ ﷺ شیئا یعطیھم ایاہ، فقال اللّٰھم انک قد عرفت حالھم وان لیست لھم قوۃ وان لیس بیدی شیئی اعطیھم ایاہ، فافتح علیھم اعظم حصونھا عنھم غنی واکثرھا طعاما وودکا فغدا الناس ففتح علیھم حصن الصعب بن معاذ وما بخیبر حصن کان اکثر طعاما وودکا منہ. (۲۹)

قلعہ قلّہ :-

اس کے بعد یہود نے قلعہ قلہ میں جا کر پناہ لی۔ یہ قلعہ نہایت مستحکم تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اسی وجہ سے اس کا نام حصن قلہ تھا۔ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں جو بعد میں قلعہ زبیر کے نام سے مشہور ہوا اس لئے کہ یہ قلعہ تقسیم غنائم کے بعد حضرت زبیر کے حصہ میں آیا۔ تین روز تک آپ ﷺ نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا، حسن اتفاق سے ایک یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا اور عرض کیا کہ آپ اگر ایک مہینہ بھی ان کا محاصرہ کئے رہیں تب بھی ان لوگوں کو پرواہ نہیں، ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں یہ رات کو نکلتے ہیں اور پانی لے کر قلعہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ اگر ان کا پانی منقطع کر دیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ مجبوراً یہ قلعہ سے باہر نکلے اور سخت مقابلہ ہوا جس کے نتیجے میں دس یہودی مارے گئے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ قلعہ قلہ علاقہ نطاۃ کا آخری قلعہ تھا اس کی فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے علاقہ شق کے قلعوں کو فتح کیا۔ (۳۰)

وطیح اور سلالم :-

قال ابن اسحٰق وحاصر رسول اللہ ﷺ اھل خیبر فی حصینھم الوطیح والسلالم حتی اذا ایقنوا بالھلکۃ، سالوہ ان یسیرھم وان یحقن دماء ھم ففعل. (۳۱)

ترجمہ : سب سے آخر میں وطیح اور سلالم قلعے فتح ہوا، یہود کا تمام تر زور انہی قلعوں پر تھا اور وہ ہر طرف سے سمٹ کر انہی قلعوں میں محفوظ ہو گئے تھے، ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور جب ان یہود کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو خود ہی صلح کی درخواست پیش کی جو آنحضرت ﷺ نے قبول کر لی۔

وارسل ابن ابی الحقیق الی رسول اللہ ﷺ انزل فاکلمک فقال رسول اللہ ﷺ نعم فنزل ابن

ابی الحقیق فصالح رسول اللہ ﷺ علی حقن دماء من فی حصونھم من المقاتلة وترک الذریة لھم ویخرجون من خیبر وارضھا بذراریھم.(۳۲)

ترجمہ: صلح کے لئے ان لوگوں نے ابن ابی الحقیق کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپ ﷺ نے اس شرط پر ان کی جان بخشی کہ خیبر کی سرزمین کو خالی کردیں یعنی سب جلاوطن ہو جائیں اور سونا اور چاندی اور ہتھیار وو دیگر سامان حرب سب یہاں چھوڑ جائیں۔

مخابرہ :-

جب خیبر فتح ہو گیا تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یہود یہاں سے چلے جائیں لیکن یہود نے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس زمین پر ہم کو رہنے دیں، ہم زراعت کریں گے جو پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ آپ ﷺ کو ادا کیا کریں گے۔ آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی صراحۃً فرمایا:

نقر کم علی ذلک ماشئنا ''یعنی جب تک چاہیں گے اس وقت تک تم کو برقرار رکھیں گے''

امام بخاریؒ نے اس معاملہ سے متعلق باب باندھا ہے ''باب اذا اشترط فی المزارعة اذا شئت اخر جتک'' اس طرح کا یہ معاملہ سب سے پہلے خیبر میں ہوا اس نے اس معاملہ کا نام مخابرہ ہو گیا۔ جب بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت ﷺ پیداوار کا اندازہ کرنے کے لئے عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے۔ (۳۳)

غنائم خیبر :-

خیبر کی غنیمت میں سونا اور چاندی نہ تھا بلکہ گائے، بیل اور اونٹ اور کچھ دیگر سامان تھا اور سب سے بڑی چیز خیبر کی اراضی اور باغات تھے۔ آنحضرت ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق ان چیزوں کو غانمین پر تقسیم فرمادیا اور خیبر کی اراضی و باغات اہل حدیبیہ پر تقسیم کئے۔ (۳۴)

غنائم خیبر کی تقسیم :-

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ

لما افاء اللّٰہ علی نبیہ ﷺ خیبر قسمها علی ستة وثلاثین سهما. (۳۵)

آنحضرت ﷺ نے خمس نکالنے کے بعد زمین خیبر کی پیداوار کو چھتیس حصوں پر تقسیم کیا جن میں سے اٹھارہ حصے علیحدہ کر لئے یعنی انہیں مسلمانوں کی ضروریات کے لئے مخصوص کیا اور مجاہدین پر ان کو تقسیم نہیں کیا اور باقی اٹھارہ حصوں کو مجاہدین پر تقسیم کیا۔

جزیرۂ عرب سے یہود کا اخراج :-

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کی پیداوار کی بٹائی پر یہود کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا اور ان سب کو سرزمین خیبر سے جلاوطن نہیں کیا تھا لیکن اس معاملہ کو اس شرط کے ساتھ بھی مشروط کر دیا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے اس معاملہ کو برقرار رکھیں گے، ذیل میں اب ان فرمودات نبوی ﷺ کو ذکر کیا جائے گا جن میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ان اہل یہود کو

سرزمین عرب سے بالکل نکال دیا جائے۔

(۱) اخرجوا الیھود من جزیرة العرب.(۳۶)

ترجمہ: یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

(۲) فقال اسلموا تسلموا واعلموا ان الارض للّٰہ ورسولہ وانی ارید ان اجلیکم من ھذہ الارض .... (۳۷)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے یہود سے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو امان میں رہو گے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میرا ارادہ یہ ہے کہ (اگر تم ایمان نہیں لائے تو) تم کو اس سرزمین (عرب) سے جلاوطن کردوں۔

(۳) وقول رسول اللّٰہ ﷺ کیف بک اذا رقصت بک راحلتک نحو الشام یوما ثم یوما ثم یوما. (۳۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کا فرمان ایک مرتبہ یہود کے ایک سردار کے سامنے یہ تھا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا کہ تو ایک دن اپنی سواری پر ملک شام کی طرف بھاگے گا پھر کسی دن دوسرے جگہ پھر کسی دن اور جگہ۔

گویا اس حدیث میں اشارہ تھا اس بات کا کہ ایک زمانے
میں سرزمین عرب سے ان کا اخراج ہوگا۔

(۴) فانہ لما عزم علی اخراجھم منھا فقالوا
نحن اعلم بالارض منکم دعونا نکون فیھا
ونعمرھا لکم بشطرما یخرج منھا. (۳۹)

ترجمہ: آپ ﷺ نے جب یہود کے اخراج کا عزم
کرلیا تو ان یہود نے بارگاہ نبوت میں درخواست پیش کی کہ
ہم زراعت کے پیشہ سے آپ لوگوں کی بنسبت اچھی طرح
واقف ہیں اس لئے ہم کو ہماری زمین سے نہ نکالیں اور جو
پیداوار ہوگی اس کا نصف ہم آپ کو (بطور جزیہ) دیں گے۔

تو اس حدیث سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ کا عزم و ارادہ ان
کے نکالنے ہی کا تھا لیکن فی الوقت مصالحت مسلمین کی بنا پر آپ ﷺ نے ان کی پیش کردہ
درخواست کو قبول کرلیا اس شرط کے ساتھ کہ جب تک ہم چاہیں گے اس معاہدے کو برقرار رکھیں گے۔

دور فاروقی میں یہود کا جزیرۂ عرب سے اخراج :-

آنحضرت ﷺ کے ان فرمودات کے پیشِ نظر اور یہود کی شرارتوں کی بنا پر بالآخر حضرت
عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں خیبر کی سرزمین کو یہود سے پاک کردیا اور حضرت عمرؓ کا یہ عمل چونکہ عین
قرآن وسنت کے مطابق تھا اس لئے صحابہ میں سے کسی نے اس عمل پر نکیر بھی نہیں فرمائی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

فلما كان فی زمان عمر غشوا المسلمين والقوا ابن عمر من فوق بيت ففدعوا يديه فقال عمر من كان لهُ سهم بخيبر فليحضر حتى نقسمها فقسمها بينهم. (۴۰)

ترجمہ: دورِ فاروقی میں یہود کی بدعہدیوں کی بنا پر اور حضرت ابن عمرؓ کو اوپر چھت سے گرا کر ان کے دونوں ہاتھوں کو توڑنے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے جزیرۂ عرب سے یہود کے اخراج کا فیصلہ کر لیا اور جن حضرات کے لئے خیبر کی پیداوار میں حصے مقرر تھے ان کو کہلوا بھیجا کہ وہ حاضر ہو جائیں تاکہ ان کے حصے ان پر تقسیم کر دیئے جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ عین سنت کے مطابق تھا :-

چنانچہ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کی بابت ابن قیمؒ تفصیل سے لکھتے ہیں کہ:

ان اهل الذمة اذا خالفوا شيئاً مما شرط عليهم لم يبق لهم ذمة، وحلت دماء هم واموالهم لان رسول اللهﷺ عقد لهؤلاء الهدنة وشرط عليهم ان لا يغيبوا ولا يكتموا فان فعلوا حلت دماء هم واموالهم فلما لم يفوا الشرط استباح دمائهم واموالهم وبهذا اقتدىٰ امير المؤمنين عمر بن

الخطاب فی الشروط التی اشترطها علی اهل الذمة فشرط علیهم انهم متیٰ خالفوا شیئاً منها، فقد حل لهٗ منهم ما یحل من اهل الشقاق والعداوة. (۴۱)

ترجمہ: ذمی حضرات جب اپنی شرائط اور عہد کو پورا نہ کریں تو وہ ذمہ سے بری ہو جاتے ہیں اور ان کی جان اور اموال حلال ہو جاتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اہل یہود پر جو شرائط مقرر کی تھیں اور جب وہ ان شرائط کے خلاف افعال کے مرتکب ہوئے تو قاعدے کے موافق ان کی (اہل یہود کی) جانیں اور اموال محفوظ نہیں رہے، لہذا امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب نے اسی بات کی اقتدا کی کہ جب انہوں نے ان پر عائد ہونے والی شرائط کی خلاف ورزی کی تو ان کو اہل ذمہ کے حکم سے خارج کر دیا بلکہ ان پر اہل شقاق یعنی دشمنوں والے احکام لاگو ہو گئے۔

دار اسلام سے ذمیوں کو کب نکالا جا سکتا ہے :-

ابن قیم مزید لکھتے ہیں کہ:

جواز اجلاء اهل الذمة ا من دار الاسلام اذاستغنی عنهم کما قال النبی ﷺ نقر کم ما اقر کم اللّٰه وقال لکبیرهم کیف بک اذا رقصت بک راحلتک نحو الشام یوما ثم یوما.

واجلاهم عمر بعد موته وهذا مذهب محمد بن جرير الطبرى وهو قول قوى يسوغ العمل به اذا راى الامام فيه المصلحة.

ترجمہ: ذمی حضرات کو دار اسلام سے جلاوطن کرنا جائز ہے جبکہ مسلمانوں کو ان ضرورت نہ رہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہم تم کو سرزمین خیبر میں جب تک اللہ چاہے گا آباد رکھیں گے اور ان کے سردار سے فرمایا کہ تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جب تو اپنی سواری پر بھاگتا ہوا ہوگا کبھی ایک دن ملک شام تو کبھی کسی دن کسی اور جگہ (گویا کہ مستقبل قریب میں جزیرۂ عرب سے ان کے اخراج کی طرف اشارہ تھا) چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں ان کو ارض خیبر سے جلاوطن کر دیا اور جزیرۂ عرب کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔ محمد بن جریر طبری جو کہ بڑے مجتہدؒ گزرے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام وقت جب مصلحت اس میں سمجھے کہ دار اسلام سے اہل ذمہ کو جلاوطن کر دیا جائے تو یہ جائز ہے محمد بن جریر طبری کا قول قوی ترین قول ہے۔

غرض یہ کہ دور فاروقی میں جزیرۂ عرب سے ان مفسدین یہود کا اخراج ہوا اور آنحضرت ﷺ کی حدیث "اخرجوا اليهود من جزيرة العرب." پر عمل ہوا۔

خلاصہ بحث :-

آنحضرت ﷺ نے اپنے حسن معاملہ اور عمدہ اخلاق کی بنا پر حتی الامکان اہل یہود کے ساتھ رعایت کے معاملے کئے اور ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے درگزر فرمایا بلکہ خیبر سے واپسی کے موقع پر ایک یہودی عورت نے زہر آلود بکری کا گوشت سرکار دو عالم ﷺ اور ان کے رفقاء کو کھلایا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

سم رسول اللّٰہ ﷺ، اھدت لہ زینب بنت الحارث الیھودیۃ امرأۃ سلام بن مشکم شاۃ مشویۃ قد سمتھا وسألت ای اللحم احب الیہ؟ قالوا الذراع فاکثرت من السم فی الذراع فلما انتھش من ذراعھا، اخبرہ الذراع بانہ مسموم فلفظ الاکلۃ وجئی بالمرأۃ الی رسول اللّٰہ ﷺ فقالت اردت قتلک فقال ماکان اللّٰہ لیسلطک علی قالوا الا نقتلھا قال "لا" ولم یتعرض لھا ولم یعاقبھا. (۴۲)

ترجمہ: اس عورت نے آپ ﷺ کی پسند کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں کہ آپ ﷺ کو دستی کا گوشت زیادہ گوشت پسند ہے چنانچہ دستی والے حصے میں زیادہ زہر ملایا لیکن معجزہ نبوی کی شان عجیب تھی کہ اس دستی کے گوشت نے ہی آپ ﷺ کو بتایا کہ اس میں زہر ہے، آپ ﷺ

نے فوراً لقمہ پھینک دیا، اس عورت کو بلایا گیا اس نے اپنے
جرم کا اقرار کیا۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اس عورت کو قتل کر دیں لیکن اخلاق نبوی ﷺ کی شان دیکھئے کہ
آپ ﷺ نے منع فرمایا اور نہ ہی کسی قسم کی اس عورت کو سزا دی۔
جبکہ اس زہر آلود گوشت کے ایک لقمہ کھانے کی وجہ سے تا آخر حیات آپ ﷺ کو تکلیف
رہی جیسا کہ روایت میں ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ فی وجعه الذی مات فیه
مازلت اجد من الاکلة التی اکلت من الشاة یوم
خیبر، فھٰذا اوان انقطاع الابھر منی. (۴۳)

ترجمہ: جس تکلیف میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس
کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خیبر کے موقع پر اس
زہر آلود بکری کے گوشت کے ایک لقمہ کھانے کی بنا پر مجھے
ہمیشہ تکلیف رہی اور اب وقت آ گیا ہے کہ اس زہر کی وجہ
سے وہ رگ جو دل سے متصل ہوتی ہے کہ کٹنے والی ہے۔
چنانچہ آنحضرت ﷺ کا انتقال اسی وجہ سے ہوا۔

لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے بدلہ نہ لیا، لیکن جب انہوں نے سازشوں کے تانے بانے بننے شروع کئے اور اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوئے تو پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ سخت معاملات کئے، ان کو قتل بھی کیا ان کی املاک اور جائیداد کو بھی تباہ کیا، ان پر قبضہ بھی کیا اور بالآخر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق جزیرۂ عرب سے ان کا اخراج دورِ فاروقی میں عمل میں آیا۔

حوالہ جات:

۱۔ قرآن، ۲۱۴:۲

۲۔ امام بخاری محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، ریاض، مکتبہ المعارف للنشر، ۱۹۹۸، ص ۵۱۰، ج ۲

۳۔ ایضاً ص ۵۱۱، ج ۲

۴۔ امام بخاری محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، ص ۶۲۱، جلد ۲، محولہ بالا

۵۔ امام بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱، ص ۵۶۲، جلد ۱

۶۔ ایضاً ص ۵۶۲، جلد ۱

۷۔ ایضاً ص ۱۰۲۱، جلد ۲

۸۔ ایضاً ص ۱۸۱، جلد ۱

۹۔ ایضاً ص ۱۷۵، جلد ۱

۱۰۔ سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کراچی، میر محمد کتب خانہ، ۱۳۶۹ھ، ص ۳۹۹، جلد ۲

۱۱۔ ایضاً ص ۳۹۹، جلد ۲

۱۲۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد، بیروت، دار احیاء التراث عربی، ۱۹۹۳، ص ۲۱۵، جلد ۴

۱۳۔ امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ص ۱۱۲۵، جلد ۲، محولہ بالا

۱۴۔ مولانا انور شاہ کشمیری، فیض الباری، لاہور، المکتبۃ العزیزیہ، ۱۳۳۷ھ، ص ۵۳۶، جلد ۴

۱۵۔ عبداللہ بن عبدالرحمن، سنن دارمی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۳۷ھ، ص ۱۲۶، جلد ۱

۱۶۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار احیاء التراث عربی، ۱۹۹۵، ص ۲۱۰، جلد ۲

۱۷۔ ایضاً ص ۲۲۵، جلد ۲

۱۸۔ ایضاً ص ۲۶۵، جلد ۲

۱۹۔ امام ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۸، جلد ۴، بحوالہ بالا

۲۰۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ ص ۲۹۰، جلد ۲، بحوالہ بالا

۲۱۔ امام ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ ص ۶، جلد ۴، بحوالہ بالا

۲۲۔ ایضاً، ص ۷۷، جلد ۴

۲۳۔ قرآن، ۳۳:۲۶

۲۴۔ امام ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ ص ۱۰۵، جلد ۴، بحوالہ بالا

۲۵۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۳۰۰ھ، ص ۳۵۶، جلد ۷

۲۶۔ امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری ص ۲۰۳، جلد ۲، بحوالہ بالا

۲۷۔ امام ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ ص ۱۸۵، جلد ۴، بحوالہ بالا

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۸۵، جلد ۴

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۹۳، جلد ۴

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۹۶، جلد ۴

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۹۶، جلد ۴

۳۲۔ ابن قیم، زاد المعاد، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۱، جلد ۳

۳۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ص ۲۳۹، جلد ۵، بحوالہ بالا

۳۴۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۸۵ھ، ص ۳۸، جلد ۱

۳۵۔ سلیمان بن اشعث ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ص ۴۲۵، جلد ۲، بحوالہ بالا

۳۶۔ امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری ص ۴۴۹، جلد ۱، بحوالہ بالا

۳۷۔ ایضاً، ص ۴۴۹، جلد ۱

۳۸۔ امام ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ ص ۱۹۸، جلد ۴، بحوالہ بالا

۳۹۔ ابن قیم، زاد المعاد، ص ۲۸۴، جلد ۳، محولہ بالا

۴۰۔ امام ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ص ۱۹۸، جلد ۴، محولہ بالا

۴۱۔ ابن قیم، زاد المعاد، ص ۳۰۰، جلد ۳، محولہ بالا

۴۲۔ ایضاً، ص ۲۸۸، جلد ۳

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۹۰، جلد ۳

باب ششم :

قیام امن عالم کے لئے حضور ﷺ کی مسلسل کاوشیں

Prophet continous efforts of globel peace and peaceful co-existance

جزیرۃ العرب کا اتحاد :۔

اسلام کے بنیادی مقاصد "اقرب الی الوسیلہ اقرب" کے مصداق ہیں ۔ یعنی جو مقصد ہے وہی آپ اپنا وسیلہ ہے اسی لیے بین الاقوامی عصبیتوں کو دور کرنے کے لیے اولین وسیلہ توحید خداوندی ہی رہا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب انسان آدم سے اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ قرآن پاک نے اس ضمن میں یہ اصول بتا دیا ہے کہ انسانوں، قوموں اور قبیلوں میں بٹنا صرف پہچان کے لیے ہے ورنہ امتیاز و اعزاز صرف تقویٰ اور برائیوں سے بچنے کے مدارج کے لحاظ سے ہے۔ عہد نبوی میں آقا غلام، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے اور ان میں باہمی اختلافات کا ذرا سا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی اس سیاست کو آپ کے جانشینوں نے بھی پوری وفاداری سے جاری رکھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمانوں میں تواتر و توارث کے ساتھ اتنی رچ بس گئی تھی کہ پھر اسلام اور مساوات لازم و ملزوم سمجھے جانے لگے۔ (۱)

صلح حدیبیہ :۔

جنگوں کے حوصلہ افزا نتائج کے باوجود مسلمانوں کی بقا خطرہ سے باہر نہ تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے جنگ کی بجائے مذاکرات کی تدابیر

استعمال کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ جنگ احزاب کے بعد مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد میں کمی نہ آئی تھی بلکہ قریش مکہ کے ساتھ یہود نے بھی سیاسی تحفظات کے معاہدے کر لیے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دشمنوں میں ہر صورت میں کمی کا فیصلہ فرمایا۔ ایک طرف یہود تھے جو سازشی، مکار اور دغاباز تھے اور مسلمانوں کے حلیف ہونے کے باوجود ان کے دل سے دشمن تھے تو دوسری طرف قریش تھے جو اگرچہ ضدی اور ندر تو تھے لیکن مسلمانوں کی مخالفت صرف اپنی لاعلمی اور جہالت کی بنیاد پر ہی کر رہے تھے جب کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی خونی رشتہ داریاں تھیں۔ اس صورت حال میں رسول اللہ ﷺ نے قریش سے ہر قیمت پر صلح کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

امام السرخسی اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اہل مکہ اور اہل خیبر کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی ان میں سے کسی ایک فریق سے جنگ ہو تو دوسرا فریق مدینہ پر حملہ آور ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے صلح کر لی اور ان کی طرف سے اطمینان ہونے پر اہل خیبر کی سرکوبی کی۔'' (۲)

صلح حدیبیہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے کئی اہداف حاصل کئے۔ ایک طرف اپنے دشمنوں کی تعداد میں کمی کی تو دوسری طرف قریش مکہ کو ٹھنڈے دل سے اسلام کا مطالعہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ (۳)

امام الزھری (م۱۲۴ھ) اس صورت حال پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام کی کوئی اتنی عظیم الشان فتح نہ ہوئی تھی۔ اس سے پہلے تو لڑائی تھی۔ جب امن ہوا اور جنگ بندی ہوگئی اور لوگوں کا ایک دوسرے سے خوف جاتا رہا تو

ان کے درمیان ملاقاتیں اور مذاکرات شروع ہوئے۔ پس
ان (اہل مکہ) میں جو تھوڑا سا بھی عقل تھا جب اس سے اسلا
م کی بات کی گئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ صلح کے ان سالوں میں
جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی تعداد اس صلح سے پہلے کے
مسلمانوں کی تعداد کے برابر بلکہ اس سے زیادہ ہی
تھی۔" (۴)

قرآن پاک نے صلح حدیبیہ کو ایک عظیم کامیابی قرار دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ماتقدم
من ذنبک وما تاخر. (۵)

ہم نے آپ کو عظیم الشان واضح فتح عطا کی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ
آپ کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کو معاف فرما دے۔

بین الاقوامی روابط ___ سفارتی مشن:۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے نتیجے میں قائم ہونے والے امن وامان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے عالمی پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانے کے لیے اور بین الاقوامی سطح پر اسلامی ریاست کو تسلیم کروانے کے لیے اپنے سفارتی نمائندے اس وقت کے اہم ترین حکمرانوں کی طرف روانہ کیے۔

سفارتی نمائندگی بین الاقوامی برادری میں کسی ملک یا قوم کے اقتدار اعلیٰ اور اس کی بین الاقوامی شخصیت کے عملی اعتراف کی دلیل ہے۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے سفارتی نمائندگی کا حق صرف ان ریاستوں کو ملتا ہے جن کا اقتدار اعلیٰ تسلیم ہو چکا ہو۔ (۶) اس حق کو Right of Legation کہا جاتا ہے۔ (۷) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے سفارتی نمائندوں کی مختلف سربراہان

ممالک کی طرف روانگی اسلامی ریاست کے اسی حق کی تکمیل تھی۔ ان سفارتی وفود کی روانگی سے پہلے اگرچہ اسلامی ریاست کو امر واقع Defacto ریاست کے طور پر تسلیم کیا جا چکا تھا۔ لیکن واضح طور پر قانونی اعتراف جسے Dejuro کہا جاتا ہے ان سفارتی مشنوں کی روانگی کے بعد ہی عمل میں آیا۔ آج کے حالات میں رسول اللہ ﷺ کے سفارتی مشنوں کی ان تفصیلات کو جاننا بہت ضروری تاکہ مسلمان ممالک اس سے راہنمائی حاصل کر کے بین الاقوامی برادری میں اپنے جائز مقام کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔

سفارتی مشنوں کے اسباب:۔

آنحضور ﷺ نے تمام لوگوں اور قبائل کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے اپنے سفراء کو اس دور کے عظیم حکمرانوں اور بادشاہوں کی طرف روانہ کیا۔ (۸) دورِ رسالت میں عرب، شام اور یورپ کے بعض علاقوں کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے حکمران کو کسریٰ، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور اسکندریہ مصر کے حکمران کو مقوقس وغیرہ کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام حکمرانوں کی طرف اپنے سفراء روانہ کیے۔ (۹) چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ:

''بے شک نبی کریم ﷺ نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کے طرف لکھا، اور ہر اہم حکمران کو خطوط روانہ کیے۔ جن میں ان کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ آپ ﷺ نے جس نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اس کی طرف نہیں لکھا۔'' (۱۰)

ہرقل روم کے لئے سفارتی مشن:۔

تمام مورخین ہرقل روم کی رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی روانگی کی تصدیق کرتے ہیں۔ اکثر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت دحیہؓ نے براہ راست قیصر روم سے ملاقات کی اور اسے رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچایا۔ اس سفارتی مشن کی تفصیلات بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ (۱۱)

ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کا تپاک سے استقبال کیا۔ (۱۲) قریب تھا کہ ہرقل اسلام قبول کر

لے لیکن اس کے درباریوں نے اس کی مخالفت کی۔ اہل روم نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن ہرقل رسول اللہ ﷺ سے بہت متاثر ہوا اور اس نے رسول اللہ کے سفارتی مشن کے جواب میں مراسلہ روانہ کیا جس میں آپ کے نبی ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے۔(۱۳)

کہا جاتا ہے کہ قیصر روم نے رسول اللہ ﷺ کی طرف تحفۃً دینار بھی روانہ کیے تھے جن کو آپ نے تقسیم فرما دیا تھا۔(۱۴)

حبشہ کے بادشاہ کے درمیان سفارتی وفود کا تبادلہ:۔

رسول اللہ ﷺ اور نجاشی کے درمیان متعدد مرتبہ سفراء کا تبادلہ خیال ہوا۔ نجاشی آنحضور ﷺ کے سفارتی مشنوں سے بہت خوش ہوا اور اس نے آپ کو سفراء کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مراسلہ بھیجا۔(۱۵)

بعض روایات کے مطابق ان سفارتی مشنوں کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ اور نجاشی کے درمیان رابطے قائم تھے۔ نجاشی نے آپ ﷺ کے پیغام کے جواب میں حبیبہ بنت ابی سفیان (م۴۴ھ/۶۶۴ء) کے ساتھ آپ ﷺ کا نکاح کیا اور آپ ﷺ کی طرف سے ان کو حق مہر ادا کیا اور مسلمانوں کو دو بحری جہازوں میں نبی کریم ﷺ کی خواہش پر مدینے کی طرف روانہ کیا۔(۱۶)

کسریٰ کے لئے سفارتی مشن:۔

رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کی طرف عبداللہ بن حذافہ (م۳۳ھ/۶۵۳ء) کو اپنے مراسلہ کے ہمراہ روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کا مراسلہ بحرین کے حاکم کے حوالے کر دیں جو اسے کسریٰ تک پہنچا دے۔ کسریٰ نے آپ کے مراسلہ مبارک کو پڑھا اور پھاڑ دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی (ان یمزقوا کل ممزق)(۱۷)۔

کسریٰ نے رسول اللہ ﷺ کے خط کا احترام نہیں کیا اور یمن میں اپنے حکمران باذان کو حکم دیا کہ اس

نبی کا سر اس کی طرف روانہ کیا جائے (نعوذ باللہ)۔ باذان نے اس کام کی تکمیل کے لیے اپنے دو نمائندے مدینے روانہ کیے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا کو کسریٰ کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ (۱۸)

مقوقس مصر کے لئے سفارتی مشن:۔

رسول اللہ ﷺ نے حاطب ابی بلتعۃ اللخمی (م ۳۰ھ/۶۵۰ء) کو المقوقس کی طرف روانہ کیا اور اسے اسلام کی دعوت دی آپ ﷺ نے کسریٰ سے ملتا جلتا خط مقوقس مصر کے نام روانہ کیا۔ مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے خط کو چوما اور جوابی خط روانہ کیا اور اس خط کے ہمراہ تحائف بھی روانہ کیے جس میں دو خادمائیں بھی شامل تھیں۔ (۱۹)

دیگر سفارتی مشن:۔

رسول اللہ ﷺ نے شجاع بن وہب الاسدی (م ۱۲ھ/۶۳۳ء) کو الحارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ الحارث نے اس سفارت کا بہت برا جواب دیا اور مدینہ پر اپنے لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا لیکن ہرقل نے مداخلت کر کے اسے بیت المقدس بلا لیا۔ (۲۰)

رسول اللہ ﷺ نے سلیط بن مروالعمری (م ۱۴ھ/۶۳۵ء) کو ھوذہ بن علی کی طرف خط دے کر روانہ فرمایا۔ اس نے آپ ﷺ کے مندوب کا مناسب استقبال کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف جواب میں لکھا۔

> ’’آپ جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ کتنی اچھی اور
> خوبصورت ہے۔‘‘ (۲۱)

ان سفارتی مشنوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے حاکم المنذر بن ساوی (م ۱۱ھ/۶۳۳ء) کی طرف العلاء بن الحضرمی کو سفیر بنا کر روانہ کیا۔ المنذر نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا اور اسلام لے آیا۔ (۲۲) المھاجر بن ابی امیۃ (م ۱۲ھ/۶۳۳ء) رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی

حیثیت سے میر کے بادشاہوں کی طرف گئے جب کہ عمرو بن العاص نے جیفر بن الجلندی کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی نمائندگی کی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے روانہ کیے گئے ان سفارتی مشنوں نے جزیرۃ العرب کے اندر اور باہر اکثر حالات میں کامیابی حاصل کی۔ کچھ حکمران مسلمان ہو گئے اور کچھ اگرچہ مسلمان تو نہ ہوئے لیکن اسلام اور مسلمانوں کی طرف ان کا رویہ دوستانہ ضرور ہو گیا۔

مدینہ میں مختلف نمائندوں کا استقبال:۔

رسول اللہ ﷺ نے صرف سفارتی مشن روانہ کیے بلکہ مدینے میں بھی وفود اور سفارت کاروں کا استقبال فرمایا فتح مکہ کے بعد عرب قبائل رسول اللہ کے پرچم تلے جمع ہو چکے تھے اور اب مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ جزیرۃ العرب میں باقی نہ تھا۔ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ/۷۶۸ء) لکھتے ہیں:

> ''عرب قریش کے منتظر تھے۔ کیونکہ قریش لوگوں کے امام اور اہل بیت اللہ تھے۔ عرب سرداران کی اس اہمیت کا انکار نہیں کرتے تھے۔ قریش نے ہی رسول اللہ ﷺ سے جنگ کا آغاز کیا تھا۔ جب فتح مکہ ہو گیا۔ قریش مطیع ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے تو عربوں نے جان لیا کہ اب وہ رسول اللہ ﷺ سے لڑائی نہیں کر سکتے اور نہ ہی عداوت رکھ سکتے ہیں۔ اس لیے وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔''(۲۳)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اذا جاء نصر اللہ و الفتح و رایت الناس یدخلون فی

دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ

کان توابا۔ (۲۴)

رسول اللہ ﷺ قبائل کی داخلی سیاست کو سمجھتے تھے۔ یہ قبائل اگرچہ کسی مستقل نظام حکومت کے ماتحت نہ تھے لیکن بعض علاقائی اتحادوں میں شامل ضرور رہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اتحادوں کی اہمیت کا احساس فرمایا اور اپنے سفارتی مشنوں کی روانگی کے بعد ان قبائل کے وفود کا مدینے میں استقبال کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے زیادہ تر وفود کا استقبال ۹ ہجری میں کیا اسی لیے اس سال کو سنۃ الوفود کا نام دیا جاتا ہے۔ (۲۵)

بین الاقوامی روابط کے نتائج:۔

رسول اللہ ﷺ کے عالمی روابط کے نتائج بہت حوصلہ افزا تھے۔ مختلف حکمرانوں کے ساتھ سفراء کے ذریعے مفید مذاکرات کے نتیجے میں ایک دو حکمرانوں کو چھوڑ کر اکثریت نے اسلامی دعوت کی طرف اپنی رغبت کا اظہار کیا بعض تو مسلمان بھی ہو گئے اور انہوں نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے جوابی مراسلات روانہ کیے بلکہ اپنے خلوص نیت کے اظہار کے لیے تحائف بھی بھجوائے۔

رسول اللہ ﷺ کی تشکیل کردہ امت:۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مکی اور مدنی زندگی میں ایک امت کی تشکیل کی مکی زندگی، امت کی فکری اور مدنی زندگی عملی تربیت کا مظہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرائض کی ہر دور میں ادائیگی اور آپ ﷺ کے مشن کی سربلندی اب آپ ﷺ کی امت کی ذمہ داری ہے۔ اس امت کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہیں۔

امت مسلمہ کا تعارف:۔

امت کا لفظ عربی میں ام سے نکلا ہے جس کے معنی ماں، اصل بنیاد مرکز اور طور طریقہ کے ہیں۔ جس طرح ماں ایک خاندان کی اصل بنیاد اور آغاز ہوتی ہے اور جب تک اہل خاندان اس سے وابستہ رہیں وحدت فکر وعمل اس کی وجہ سے موجود رہتی ہے اسی طرح ایک ریاست کی وحدت و یکسانیت اس امت کے تصور سے وابستہ ہوتی ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں لفظ ام میں مرکزیت کے مفہوم کے علاوہ وحدت فکر وعمل کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ لہذا امت کے معنی طریقہ اور طرز عمل ہی کے نہیں بلکہ تقوی اور خدا ترسی پر مبنی طرز عمل بھی امت کے مفہوم کا اساسی جزء ہوگا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

بل قالوا انا وجدنا اباء نا علی امة و انا علی ءا
ثرهم مهتدون. (۲۶)

''ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک طریقے پر پایا ہے جس کو ہم
واجب التعمیل سمجھتے ہیں اور اسی لیے ہم ان کے آثار قدم پر
چل رہے ہیں۔''

ام اور اس سے مشتق مختلف الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عربی زبان میں امت سے مراد ایک ایسا گروہ ہے جس کا مرکز اور تشخص ایک ہو اور اس کے افراد میں اخوت اور بھائی چارہ پایا جاتا ہو اور یہ امت ایک واضح راستے پر چلنے والی ہو اور اس کے پاس زندگی گزارنے کا ہدایت نامہ موجود ہو۔ توحید الہی کی علمبردار امت کو امت مسلمہ کا نام حضرت ابراہیم نے دیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

ملة ابیکم ابراهیم هو سمکم المسلمین من
قبل. (۲۷)

''تمہارے باپ ابراہیم کی امت جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔''

امت مسلمہ کی ضرورت واہمیت :۔

بعض انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ باقی نہ رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی جو ان کے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی، ان کے راستہ میں جاں نثاری کرتی اور اپنی زندگی اپنے تمدن اور حکمت ومعاشرہ کے ذریعے ان کے پیغام کا عملی نمونہ پیش کرتی۔

حضرت ابراہیم نے مرکز توحید کی تعمیر کرتے ہوئے نہ صرف اپنی اولاد میں رسول مبعوث کرنے کی درخواست کی بلکہ رسول کی امت کی بھی درخواست کی اور اس امت کو امت مسلمہ کا نام دیا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة

مسلمة لک. (۲۸)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد ﷺ آخری رسول اور خاتم النبین ہوں گے اور آپ کے بعد کوئی اور نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسوہ رسول ﷺ کی حفاظت اور اپنی آخری کتاب قرآن مجید کے تحفظ اور اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری امت پر ڈال دی۔ (۲۹)

امت مسلمہ کی صفات :۔

قرآن پاک میں بہترین امت کی جو پہلی صفت بیان ہوئی ہے وہ امة وسط یعنی میانہ روی والی امت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وکذلک جعلنکم امة وسطالتکونو شهداء علی

الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا۔ (۳۰)

''ہم نے تم کو ایک درمیانی اور بیچ کے راستہ پر چلنے والی امت

بنایا ہے تاکہ تم دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے (حق) کے

گواہ بن سکو''

قرآن پاک کے اس اعلان کا واضح اور صاف مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک متوسط معتدل اور میانہ رو امت ہے۔ یہ مختلف انتہاؤں کے درمیان ایک نقطہ اعتدال پر قائم ہے۔ قرآن پاک نے کئی انتہا پسندوں کی مثالیں بھی دی ہیں۔ ایک انتہا پسندی وہ ہے جس میں ظاہر پرستی اور حرفیت کا عنصر غالب ہے۔ دوسری انتہا پسندی کے نمائندہ یہود ہیں۔ ایک اور انتہا پسندی جس میں روحانی تقاضوں پر زور دیا جاتا ہے۔ مثال نصرانی ہیں۔ امت مسلمہ کو ان صورتوں سے بچ کر دین کی جامعیت کی معتدل راستہ پر کاربند رہنا ہے۔ امت مسلمہ ایک ایسی امت ہے جس میں مادی اور جسمانی دونوں تقاضوں کی معتدلانہ تکمیل کا سامان موجود ہے۔ اسی کی وجہ سے امت مسلمہ کو امت وسط کا نام دیا گیا ہے۔ (۳۱)

قرآن پاک میں امت مسلمہ کی جو دوسری خصوصیت بیان ہوئی ہے وہ ہے امت واحد قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان ہذہ امتکم امۃ واحدۃ و انا ربکم
فاعبدون. (۳۲)

''تمھاری یہ امت امت واحدہ اور میں تمھارا رب ہوں،
پس میری عبادت کرو۔''

امت مسلمہ کی اس وحدت کی اساس دو بنیادی عقائد پر ہے توحید اور رسالت۔ توحید کی تعلیم تو سب انبیاء نے دی یہودی اور عیسائی بھی اپنے آپ کو توحید پرست ہی کہتے ہیں۔ اس لیے محض توحید کا نظریہ عقیدہ نہ امت کی یکجہتی کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ وحدت کی بنیاد بن سکتا ہے امت کے وجود کی ضمانت تب پیدا ہوتی ہے جب توحید کے ساتھ رسالت بھی جزو ایمان ہو۔ کیونکہ امت مسلمہ میں مرکزیت اور اساس کی حیثیت رسول اللہ ﷺ کی ذات کو حاصل ہے۔ (۳۳)

امت مسلمہ کا نصب العین:۔

امت مسلمہ کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے اس کے فرائض بھی اعلیٰ اور امتیازی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ

ب:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف
و تنھون عن المنکر و تومنون باللہ۔ (۳۴)
''تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہے کہ
معروف کا حکم دو اور برائی سے روکو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے
ہو۔''

امت مسلمہ کو امت وسط ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ تم سب انسانوں پر گواہ ہو اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہیں۔ امت مسلمہ ہی آخری آسمانی پیغام کی ابدی امت اور انسانیت کی مرکز امید ہے۔ اس لیے امت مسلمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیغام اسلام کو سینے سے لگائے رکھے اور قافلہ انسانیت کی قیادت کی خاطر اپنے آپ کو تیار کرے۔ عقائد و اخلاق اور انفرادی اور بین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھے اور نئے حالات میں اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لیے تیار ہو۔ اس لیے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گزشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں بلکہ جدوجہد مسلسل، دائمی سرگرمی، مستقل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کے لیے آمادگی، جدت نو اور اپنی تازہ دم اور تازہ کار قوت، اور افادیت و صلاحیت کے بل پر زندہ و تابندہ رہتی ہیں اور جب اپنے منصب کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں اور زمانہ انہیں طاق نسیان پر رکھ دیتا ہے۔ اسی لیے امت محمدیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ از سر نو اپنے تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ نئے عالمی نظام کی تشکیل کے لیے اپنا کردار ادا کرے کیونکہ اس کے عالمی فرض منصبی کا تقاضا ہے۔

بین الاقوامیت کا فروغ:۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ سے مثالی عالمی نظام کے لیے سب سے اہم اور بنیادی سبق یہ ملتا ہے

کہ یہ نظام عالمی ہو اور دنیا کی تمام قوموں اور تمام طبقات کے لیے مفید اور قابل قبول ہو اور یہ نظام ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعے کسی قوم کو غلبہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء مخصوص قوموں اور مخصوص وقت کے لیے بھجوائے لیکن رسول اللہ ﷺ کو ساری دنیا کے انسانوں کی راہنمائی کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے مرکز دعوت کے لئے جو علاقہ منتخب کیا گیا وہ ساری دنیا کو ملانے والا اور جن لوگوں کو آپ کی دعوت کا اولین مخاطب بنایا گیا وہ بھی ہر علاقے کے لوگوں کی خصوصیت کے حامل تھے اور خود رسول اللہ ﷺ کے بطور آخری رسول انتخاب کی وجوہات میں سے ایک وجہ عالمگیر کی رشتہ داری تھی۔ ان سب دلائل سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیا نظام بین الاقوامی یعنی ساری قوموں کے مفادات کا تحفظ کرنے والا ہونا چاہئے نہ کہ مقامی اور وطنی مفادات کی خاطر دوسروں کو تباہ کرنے والا اور اسی قسم کے بین الاقوامی نظام کے قیام کے لیے امت مسلمہ کو کوششیں کرنی ہوں گی۔

تنازعات کا منصفانہ اور پرامن حل:۔

رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے پہلے کی زندگی میں حجر اسود کی تنصیب کا تنازع پرامن طریقے سے طے کر کے دنیا کو یہ سبق دیا کہ تنازعات پرامن طریقے سے کیسے طے کئے جا سکتے ہیں۔ اگر اس موقع پر رسول اللہ ﷺ حجر اسود کی تنصیب کا شرف اپنے لیے مخصوص کر لیتے تو عرب کی روایت کے مخالف نہ ہوتا لیکن اس کی تاثیر بھی وہ نہ ہوتی جو حجر اسود کی تنصیب میں سے قبائل کو شامل کرنے سے ہوئی اور سب لوگ بے اختیار پکار اٹھے کہ محمد امین اور صادق ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ اسوہ حسنہ امت مسلمہ کو یہ سبق دیتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے درمیان تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کرے اور پھر دنیا کے تنازعات کو پرامن طریقوں سے حل کروانے کی کوشش کرے۔

پسماندہ طبقات کا تحفظ:۔

دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ اس وقت تک نہیں بن سکتی جب تک کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد نہ کی

جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے پہلے ایک ایسی تنظیم میں شرکت فرمائی جس کا مقصد مظلوم کی دادرسی کرنا تھا۔ حلف الفضول کی دادرسی کی انجمن میں مظلوم کی کسی نسلی یا قومی صفت کی بناء پر اس کی مدد کا معاہدہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ جو کوئی بھی مظلوم ہو، جس بھی قوم و مذہب سے ہو، اس کے لیے اس تنظیم کی مدد حاضر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف اس تنظیم میں حصہ لیا بلکہ اسلام کے بعد بھی پسند فرمایا اسے فرمایا اور اپنی تعلیمات میں بھی ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کا حکم دیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر پوری انسانیت کے لیے دیئے منشور میں فرمایا:

''نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔ کسی آدمی کے لیے
جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے مال سے اس کی رضامندی کے
بغیر کوئی چیز لے پس تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔'' (۳۵)

سیرۃ طیبہ سے امت مسلمہ کے لیے درس ملتا ہے کہ آج کے دور میں انہیں مذہب، رنگ اور قوم کے امتیازات سے بالاتر ہو کر مظلوموں کی مدد کرنے اور ظلم سے روکنے والے نئے عالمی نظام کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

بین الاقوامی تجارت کا فروغ:۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت کا فروغ بھی مثالی نظام کے لیے ضروری ہے۔ کوئی بھی قوم، دوسری اقوام اور ممالک سے الگ تھلگ رہ کر اپنی مادی ضرورتوں کا انتظام نہیں کر سکتی۔ تجارت اگر ایک طرف ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف آمدن کا ذریعہ بھی ہے اس لیے ضروری ہے کہ عالمی نظام میں مثالی تجارت نظام بھی شامل ہو۔ امت مسلمہ کو اسوہ حسنہ کی روشنی میں اپنی تجارت کو فروغ دینا ہوگا اور نئے ورلڈ آرڈر میں غریب ممالک کے اقتصادی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا ہوگا۔

حوالہ جات:

۱۔ حمیداللہ محمد۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۱۶۔۳۱۷، محولہ بالا

ضمیمہ نمبر ۲، ص ۲۷۰

۲۔ شرح السیر الکبیر محمد بن الحسن الشیبانی مصر، مطبعۃ منیریہ، ۱۹۵۸، ص ۲۰۱، جلد ۱

۳۔ بخاری۔ کتاب الشروط۔ محولہ بالا

۴۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ۔ ص ۲۰۶، جلد ۳، محولہ بالا

۵۔ قرآن، ۴۸:۱۔۲

۶۔ P.Boyce,"Foreign Affairs for New Status",(New york: University of Queensland press . 1977). P.144

۷۔ Sereni . Angelo piero. "Dritto Internazioinale".(Millano . 1957)P.2/494

۸۔ Abdul Nayeem Muhammad, "External Relations of Islamic State During the era of Prophet Muhammed ".(King saud university press . 1989). P.38. Vol.1

۹۔ ارنولدت۔ الدعوۃ الی الاسلام۔ ص ۳۴

۱۰۔ مسلم۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبری۔ ص ۲۵۹، جلد ۱، محولہ بالا

۱۳۔ الیعقوبی۔ تاریخ الیعقوبی۔ ص ۸۷، جلد ۲، محولہ سابقہ

۱۴۔ ابن قیم الجوزیہ۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد۔ ص ۱۲۱، جلد ۱، محولہ سابقہ

۱۵۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ص ۴۲۶، جلد ۲، محولہ بالا

۱۶۔ ایضاً، ص ۸۹، جلد ۴

۱۷۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ محولہ بالا

۱۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ص ۲۶۰، جلد ۱، محولہ بالا

۱۹۔ ایضاً، طبری، ص ۲۶۰، جلد ۱

۲۰۔ طبری۔ تاریخ الامم والملوک، ص ۸۴، جلد ۳، محولہ بالا

۲۱۔ ایضاً۔ ص ۲۶۰-۲۸۷، جلد ۱

۲۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ص ۱۲۴، جلد ۴، محولہ بالا

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۲۵، جلد ۴

۲۴۔ قرآن، ۱:۱۱۰-۳

۲۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ص ۱۷۳، جلد ۴

۲۶۔ قرآن، ۲۲:۴۳

۲۷۔ قرآن، ۲۲:۷۸

۲۸۔ قرآن، ۲:۱۲۸

۲۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ خطبات بہاولپور۔ ص ۱۵۲-۱۵۳، محولہ بالا

۳۰۔ قرآن، ۲:۱۴۳

۳۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ خطبات بہاولپور۔ ص ۱۵۵، محولہ بالا

۳۲۔ قرآن، ۲۱:۹۲

۳۳۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ خطبات بہاولپور۔ ص ۱۵۶، محولہ بالا

۳۴۔ قرآن، ۳:۱۱۰

۳۵۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ، ص ۲۵۹، جلد ۴، محولہ بالا

اختتامیہ:

رب العالمین کی بے حساب تعریفوں اور رحمۃ للعالمین پر بے حساب درود وسلام کہ اللہ نے اپنے پیارے حبیب محمد ﷺ کے صدقے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میرا نام بھی سیرت طیبہ پر لکھنے والوں کی فہرست میں شامل ہوا۔ یہ ہم لوگوں کی اپنی ہی کوشش ہے ورنہ حضور اکرم ﷺ کی فضیلت و کمالات اس قدر بے حساب ہیں کہ کسی زبان کی کیا طاقت کہ انھیں بیان کر سکے۔

فان فضل رسول الله ليس له

حد فيعرب عنه ناطق بفم

میں نے بھی اس سمندر سے قطرہ بھر پانی کے مصداق اس سعادت کے حصول کی کاوش کی ہے۔

جیسا کہ میں نے مقدمہ میں عرض کیا کہ اس وقت حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے ایک ایک اور ایسے گوشوں پر غور وفکر کی ضرورت ہے جو اصلاح معاشرہ کے لئے عملی طور پر ہماری راہنمائی کریں اسی لئے میں نے آپ ﷺ کی تعلیمات کے حوالے سے مواخاۃ اور میثاق مدینہ پر تحقیق کی کہ کس طرح حضور اکرم ﷺ نے ریاست مدینہ کے قیام سے قبل اصلاح معاشرہ کے لئے یہ دو اہم اقدامات فرمائے تا کہ علاقائی اور مذہبی امتیاز سے ہٹ کر معاشرے کی اصلاح کی جائے اور اس بنیاد پر جو ریاست قائم ہوئی آج بھی ہمارے لئے وہ ایک مثالی نمونہ ہے۔

وطن عزیز کو بھی ان دونوں (علاقائی اور مذہبی) کے امتیازی عمل سے کافی نقصان پہنچ چکا ہے اور اب ہم مزید نقصان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں عملی اقدامات کرتے ہوئے ان دونوں اور دیگر امتیازی صورتوں کو ختم کر کے ہم اپنے معاشرے کی عملی اصلاح کر سکتے ہیں۔

میری تحقیق کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

اللہ کرے میری یہ تحقیق اصلاح معاشرہ کے لئے مفید ثابت ہو اور مستقبل کے محققین سیرت رسول ﷺ میں اسی طرح کے دیگر موضوعات پر غور وفکر کریں اور اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار ادا کریں۔

و ما علینا الا البلاغ

زینت رشید

ضمیمہ ۱

حضور اکرم ﷺ کی مدنی زندگی

آمد مدینہ منوّرہ سے وصال تک

پہلی ہجری:

۱- قبا میں قیام: پیر کے روز ۱۲ ربیع الاول کو قبا پہنچ کر آپ ﷺ نے خاندان عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن الہدم کے مکان پر قیام فرمایا۔

۲- حضرت علی کی قبا آمد: مکہ سے آپ کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ نے وہ امانتیں لوگوں کو پہنچائیں جو آپ نے ان کے سپرد کی تھیں۔ پھر مکہ سے روانہ ہو کر وہ بھی قبا میں پہنچ کر کلثوم بن الہدم کے مکان پر آپ کے ساتھ ٹھہرے۔

۳- مسجد قبا کی تعمیر: قبا میں سب سے پہلے آپ ﷺ نے مسجد تعمیر کرائی جو بعثت کے بعد پہلی مسجد ہے۔ تعمیر کے کام میں آپ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ شریک رہے۔

۴- مدینے کی روانگی: قبا میں چند روز قیام فرما کر جمعہ کے روز آپ نے اللہ کے حکم سے مدینے کا قصد کیا۔

۵- مدینے میں آپ کا پہلا جمعہ: بنی سالم کے محلے میں پہنچ کر آپ نے جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور نماز سے پہلے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا یہ مدینے میں آپ کا سب سے پہلا خطبہ اور سب سے پہلی نماز

جمعہ تھی جس میں ایک سو اہل مدینہ تھے۔

۶۔ حضرت ابو ایوب کے مکان پر آمد: نماز جمعہ کے بعد آپ اونٹنی پر سوار ہو کر مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ اونٹنی پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ اسی دن سے شہر کا نام مدینۃ النبی ہو گیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان پر پہنچ کر اونٹنی خود بخود رُک گئی۔ آپ اونٹنی سے اتر کر حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر میں تشریف لے گئے۔

۷۔ مسجد نبوی کی تعمیر: مدینہ منورہ میں قیام کے بعد سب سے پہلے آپ نے مسجد نبوی تعمیر فرمائی۔

۸۔ ازواج مطہراتؓ کے لئے حجرے: مسجد کی تعمیر کے بعد اس سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لئے دو حجرے تعمیر کرائے کیونکہ اس وقت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح میں آچکی تھیں۔ باقی حجرے بعد میں ضرورت کے مطابق تعمیر ہوتے رہے۔

۹۔ علماء یہود کی حاضری: علماء یہود نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر امتحان کے طور پر آپ سے کچھ سوالات کیے۔ ان میں سے جن کی قسمت میں سعادت لکھی تھی وہ آپ کو پہچان کر ایمان لے آئے اور جن کی قسمت میں محرومی تھی وہ محروم رہے۔

۱۰۔ عبداللہ بن سلام کا اسلام: یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور توریت کے بڑے عالم تھے۔ ان کا اصل نام حصین بن سلام تھا۔ انہوں نے اور ان کے گھر والوں نے اسی سال اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام کے بعد آپ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔

۱۱۔ میمون بن یامین کا اسلام: یہ یہود کے رؤسا میں سے تھے۔ یہ آپ کو دیکھ کر مشرف با سلام ہوئے۔ ان کے حالات بھی حضرت عبداللہ بن سلام جیسے ہی ہیں۔

۱۲۔ رشتہ مواخات: جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے بے سروسامانی کے حالت میں مدینے منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے انصار مہاجرین کے درمیان مواخاۃ یعنی بھائی بندی کا رشتہ قائم فرمایا۔

۱۳۔ اذان و اقامت: اذان و اقامت کی مشروعیت بھی ہجرت کے پہلے سال ہوئی۔ ابن حجر نے اسی کو

راجح کہا ہے۔

۱۴- **میثاق مدینہ:** ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپ نے یہود کے حسد وعناد اور فتنہ وفساد کے انسداد کے لئے ایک تحریری معاہدہ کیا جس سے دستور نبوی، میثاق مدینہ یا صحیفہ کہتے ہیں۔

۱۵- **حضرت عائشہ کی رخصتی:** اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

۱۶- **جہاد کی اجازت:** ہجرت کے پہلے سال کے وسط میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ملی۔

۱۷- **سریہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب:** اس سریہ کو '**سیف البحر**' بھی کہتے ہیں۔ یہ پہلا سریہ تھا جو جہاد کی اجازت ملنے کے بعد ہجرت کے ساتویں مہینے یعنی ماہ رمضان کے شروع میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ اس میں تیس مہاجرین تھے اور کوئی انصاری نہیں تھا۔ یہ لوگ مشرکین کی ایک جماعت کے مقابلے کے لئے گئے تھے جو شام سے مکہ واپس آرہی تھی۔ مشرکین کی جماعت میں تین سو آدمی تھے۔ اور ابوجہل اس کا لیڈر تھا۔ **سیف البحر** پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور قتال کے لئے صف بندی ہوگئی مگر مجدی بن عمرو الجہنی نے جو دونوں کا حلیف تھا، بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا۔

۱۸- **سریہ حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب:** سریہ شوال میں رابغ کی طرف بھیجا گیا جو جحفہ سے دس میل پر ہے۔ اس میں ساٹھ مہاجرین تھے اور کوئی انصاری نہیں تھا بطن رابغ میں ابوسفیان سے ان کا آمنا سامنا ہوا، جس کے ساتھ دو سو مشرکین کی جماعت تھی۔ یہاں بھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کفار پر ایک تیر پھینکا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مشرکین کی جماعت کا سردار عکرمہ بن ابی جہل تھا اور سریہ عبیدہ، سریہ حمزہ سے پہلے ہوا۔

۱۹- **مسلمانوں کی طرف سے پھینکا جانے والا پہلا تیر:** سریہ عبیدہ بن حارث میں حضرت سعد نے کفار پر جو تیر پھینکا تھا وہ مسلمانوں کی طرف سے پھینکا جانے والا پہلا تیر تھا۔

۲۰- **سریہ سعد بن ابی وقاص:** ہجرت کے نویں مہینے ذی قعدہ میں قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے

لئے حضرت سعد کو بیس یا اکیس مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ خرار بھیجا جو جحفہ کے قریب ایک وادی ہے۔غدیرخم بھی اسی کے قریب واقع ہے۔ یہ لوگ رات کو چھپ کر پیدل سفر کرتے تھے۔ پانچویں دن خرار پہنچے تو قریش کا قافلہ ایک دن پہلے جا چکا تھا۔ یہ لوگ یہیں سے مدینے واپس آ گئے۔

۲۱۔ **کلثوم بن الہدم کی وفات:** اسی سال حضرت کلثوم بن الہدم نے وفات پائی،ان کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے قبا میں تشریف لائے تھے تو آپ نے انہی کے مکان پر قیام فرمایا تھا۔

۲۲۔ **اسعد بن زرارہ کی وفات:** حضرت اسعد بن زرارہ نے بھی اسی سال وفات پائی۔ یہ اُن چھ آدمیوں میں سے تھے جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ سے پہلے مکہ جا کر آپ سے ملاقات کی تھی اور ایمان لائے تھے۔انہوں نے ہی مدینے میں جمعے کی نماز قائم کی تھی۔ یہ قبیلہ بنونجار کے نقیب تھے۔

۲۳۔ **حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت:** اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی۔ان کے والد حضرت زبیر آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

۲۴۔ **بیئر رومی کا وقف:** اسی سال حضرت عثمانؓ نے بیئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا۔

۲۵۔ **ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کا انتقال:** اسی سال ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل سہمی کا انتقال ہوا۔

دوسری ہجری:

۱۔ **حضرت فاطمہ کا نکاح:** سن ۲ھ میں حضرت فاطمہ الزہرا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہوا۔

۲۔ **غزوہ ابواء یا غزوہ ودان:** دونوں نام ایک ہی غزوے کے ہیں۔ابواء یا وذان دو علیحدہ علیحدہ بستیوں کے نام ہیں جن کی طرف یہ غزوہ منسوب ہے۔ابواء جحفہ سے ۲۳ میل کے فاصلے پر فرع کے علاقے میں واقع ہے۔ یہ سب سے پہلا غزوہ ہے۔آنحضرت ﷺ ساٹھ مہاجرین لے کر بارہ صفر کو مدینے

سے نکلے۔ اس میں کوئی انصاری شریک نہیں تھا۔ آپ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے تعاقب میں نکلے تھے جو شام سے مکہ جا رہا تھا۔ قافلہ نکل چکا تھا اس لئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی البتہ اس سفر میں بنو ضمرہ سے صلح ہوئی اور آپ نے ان کو صلح نامہ لکھ کر دیا۔

۳۔ غزوہ بواط: یہ دوسرا غزوہ ہے، جو ربیع الاوّل میں ہوا۔ جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام بواط ہے۔ جو مدینے سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ینبع کے قریب واقع ہے۔ اس غزوے کے لئے آپ دو سو مہاجرین کے ہمراہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے لئے نکلے جس میں قریش کے سو آدمی اور ۲۵۰۰ اونٹ تھے۔ ان میں امیہ بن خلف جمحی بھی تھا۔ اس میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

۴۔ منبر کی تعمیر: اسی سال آپ کے لئے اثل یا طرفا کی لکڑی کے تختوں سے ایک منبر بنایا گیا جو تین قدمچوں یعنی درجوں پر مشتمل تھا۔ منبر کی لکڑی غابہ نامی مقام سے حاصل کی گئی تھی جو مدینے منورہ سے شام کی جانب ۴ یا ۹ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۵۔ غزوہ سفوان یا غزوہ بدر اولیٰ: یہ بھی ربیع الاوّل میں ہوا۔ کرز بن جابر الفہری نے جو مشرکین کے رؤسا میں سے تھا مدینے کے مویشیوں پر حملہ کیا تھا۔ آپ اس کے تعاقب میں نکلے، یہاں تک کہ آپ بدر کے نواح میں وادی سفوان پہنچے مگر وہ (کرز بن جابر) جا چکا تھا۔ بعد میں یہ اسلام لے آیا اور فتح مکہ میں شہید ہوا۔

۶۔ غزوہ ذی العشیرہ: اس کو عشیرا اور عسیرہ بھی کہتے ہیں۔ ہجرت کے سولہویں مہینے یعنی جمادی الآخر میں آپ دو سو یا ڈیڑھ سو مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے لئے جو شام کی طرف جا رہا تھا، عشیرہ روانہ ہوئے جو ینبع کے قریب ہے۔ یہاں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ آپ نے یہاں چند روز قیام کیا اور بنو مدلج اور ان کے حلفاء سے معاہدہ فرما کر واپس تشریف لے آئے۔

۷۔ سریہ عبداللہ جحش الاسدی: اس کو سریہ نخلہ بھی کہتے ہیں۔ یہ جمادی الاخریٰ کے آخر یا رجب کے شروع میں غزوہ بدر صغرای اور غزوہ بدر کبریٰ کے مابین، قریش کے ایک قافلے کی تلاش میں بطن نخلہ کی

طرف بھیجا جو مکہ سے ایک دن کی مسافت پر مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں طائف سے واپسی میں جنات نے آپ سے قرآن سنا تھا۔ اس میں اٹھارہ یا بارہ مہاجرین تھے۔ مقابلے میں عمرو بن الحضرمی مر گیا۔ اس کے باقی ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

۸۔ سب سے پہلا قتل: عمرو بن الحضرمی کا قتل مسلمانوں کے ہاتھوں سب سے پہلا قتل تھا۔

۹۔ سب سے پہلا مال غنیمت: سریہ عبداللہ بن جحش میں جو مال ہاتھ آیا وہ اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت تھا۔

۱۰۔ تحویل قبلہ: اسی سال ماہ شعبان میں تحویل کا حکم نازل ہوا۔ یعنی بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔

۱۱۔ صفہ اور اصحاب صفہ: تحویل قبلہ کے بعد جب مسجد نبوی کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو گیا تو قبلہ اول کی طرف والی دیوار اس سے متصل جگہ ان اصحاب کے لئے چھوڑ دی گئی جنہوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی محبت وصحبت کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان لوگوں کا کوئی ٹھکانہ یا گھر بار نہ تھا۔ یہ جگہ صفہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ لوگ اصحاب صفہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۱۲۔ روزے کی فرضیت: اسی سال ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات کے ۹ سال رمضان المبارک کے روزے رکھے۔

۱۳۔ زکواۃ کی فرضیت: اسی سال روزں کی فرضیت کے بعد زکوۃ فرض ہوئی۔

۱۴۔ صدقۃ الفطر کا وجوب: ماہ رمضان کے آخر میں عید سے دو روز قبل صدقۃ الفطر واجب ہوا۔

۱۵۔ غزوہ بدر کبریٰ: یہ معرکہ ۱۸ رمضان المبارک کو ہوا جو اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس کے ذریعے اسلام کا سر بلندی اور رفعت حاصل ہوئی اور کفر کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳، اور مسلمانوں کے ساتھ صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ ایک زبیر بن عوام کا اور دوسرا مقداد بن اسود کا۔ اس کے برعکس مشرکین کی تعداد ۹ سو سے ایک ہزار تھی ان کے

ساتھ دو سو گھوڑے اور چھ سو زر ہیں تھیں۔ جبکہ کفار مکہ کے نامور سرداروں سمیت ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر ہی گرفتار ہوئے۔

۱۶۔ حضرت رقیہ کا انتقال: غزوہ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہؓ (جو آپ ﷺ کی بیٹی) بیمار تھیں۔ حضرت زید بن حارثہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر لے کر مدینے پہنچے تو اسی روز حضرت رقیہ کا انتقال ہوا۔ آنحضرت ﷺ غزوہ بدر کی وجہ سے ان کے جنازے میں شریک نہ ہو سکے۔

۱۷۔ بدر میں قریش کے سرداروں کا قتل: جنگ بدر میں قریش کے مشاہیر میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابوالبختری بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوجہل بن ہشام، نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی، زمعہ بن الاسود، حارث بن زمعہ، نوفل بن خویلد بن اسد، حنظلہ بن ابی سفیان، عبیدہ بن سعید بن العاص وغیرہ قتل ہوئے۔

۱۸۔ حضرت علیؓ کی کنیت: غزوہ بدر کے بعد کسی موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو پہلی مرتبہ ابوتراب کی کنیت دی۔

۱۹۔ عصماء بنت مروان کا قتل: اس کو سریہ عصماء اور سریہ عمیر بن عدی بھی کہتے ہیں۔ یہ واقع رمضان المبارک ۲ھ کا ہے۔ عصماء ایک یہودی شاعرہ تھی جو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھی۔ اور آپ کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچایا کرتی تھی۔ ابھی آپ بدر سے تشریف نہیں لائے تھے کہ اس نے پھر اسی قسم کے اشعار کہے۔ حضرت عمیر بن عدی نابینا تھے۔ جب انہوں نے یہ اشعار سنے تو منت مانی کہ اگر آنحضرت ﷺ بدر سے کامیاب اور صحیح و سالم تشریف لے آئے تو حضرت عمیر نے رات کے وقت عصماء کے گھر میں داخل ہو کر اس کو قتل کر دیا اور فجر کی نماز میں آپ ﷺ کو واقعہ کی اطلاع دی۔

۲۰۔ ابوعفک کا قتل: اس کو سریہ سالم بن عمیر بھی کہتے ہیں۔ یہ واقعہ شوال ۲ھ کا ہے۔ ابوعفک یہودی اور بوڑھا تھا۔ اس کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ رسول ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا اور لوگوں کو آپ کی

عداوت پر اکساتا تھا۔ حضرت سالم بن عمیر نے اس کو قتل کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے رات کے وقت جب وہ غفلت کی نیند سو رہا تھا تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

۲۱۔ غزوہ بنی قینقاع: ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ غزوہ شوال کا ۲ھ میں ہوا۔ ابن سعد نے نصف شوال ۲ھ لکھا ہے۔ جبکہ زاد المعاد میں یہ ہے کہ غزوہ جمادی الآخر ۳ھ میں ہوا۔ بنو قینقاع عبداللہ بن سلام کی قوم تھی۔ یہ لوگ بہادر، تاجر اور صنعتکار تھے اور مدینے کے مضافات میں رہتے تھے۔ یہودیوں میں سب سے پہلے انہی لوگوں نے عہد شکنی کی اور بدر و احد کے درمیانے عرصے میں مسلمانوں سے جنگ کی۔ انہوں نے قلع میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ ۱۵ روز تک محاصرہ رہا آخر بنو قینقاع پر رعب طاری ہو گیا اور وہ سولہویں روز قلعے سے اتر آئے اور بلا شرط اس پر راضی ہو گئے کہ رسول ﷺ جو فیصلہ کریں گے وہ ان کو منظور ہو گا۔

۲۲۔ غزوہ السویق: غزوہ بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک میں محمد ﷺ سے جنگ نہ کرلوں اس وقت تک غسل نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے ذی الحجہ کے شروع میں دو سو سواروں کے ہمراہ مدینے کی طرف روانہ ہوا۔ مدینے پہنچ کر اس نے سلام بن مشکم یہودی کے پاس رات گزاری اور خوب شراب پی۔ پھر رات کے آخری حصے میں وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور قریش کے کچھ آدمیوں کو مدینے کی طرف بھیج دیا جنہوں نے مقام عریض میں کھجور کے کچھ درخت جلا دیئے اور ایک انصاری اور اس کے مزدور کو جو زراعت کے کام میں مصروف تھے قتل کر دیا اور یہ سمجھ لیا کہ قسم پوری ہو گئی۔ رسول ﷺ پانچ ذی الحجہ کو دو سو مہاجرین و انصار کو لے کر اس کے تعقب میں روانہ ہوئے۔ ابوسفیان اپنے ساتھیوں سمیت بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا البتہ وہ اپنا وزن ہلکا کرنے کے لئے اپنے ساتھ لائے ہوئے ستو کے تھیلے گراتے گئے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی میں سویق ستو کو کہتے ہیں۔ اس لئے اس کا نام غزوہ السویق مشہور ہو گیا۔

۲۳۔ آپ کے قتل کی سازش: جنگ بدر کے بعد عمیر بن وہب الجمحی نے صفوان بن امیہ کے ساتھ مل کر آپ کے قتل کی سازش کی۔ پھر اس نے تلوار کو تیز کرا کر زہر میں بجھایا اور مدینے پہنچ گیا۔ حضرت عمر نے اس کو دیکھ لیا۔ اس وقت وہ تلوار گردن میں حائل کئے ہوئے اپنے اونٹ کو بٹھا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ اس کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے گفتگو فرمائی اور وہ ایمان لے آیا۔

۲۴۔ غزوہ بنی سلیم: اس کو غزوہ قرقرۃ الکدر یا قرارۃ الکدر بھی کہتے ہیں۔ غزوہ بدر سے واپسی پر آپ کو سلیم اور غطفان کے اجتماع کی خبر ملی تھی اس لئے آپ شوال کی ابتدائی تاریخوں میں دو سو صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ واقدی اور ابن سعد نے اس کو نصف محرم کا واقعہ بتایا ہے۔ کدر کے چشمے پر پہنچ کر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ دشمن منتشر ہو چکا ہے۔ آپ وہاں تین دن قیام فرمانے کے بعد قتال کئے بغیر واپس تشریف لے آئے۔

۲۵۔ کعب بن اشرف کا قتل: اس کو سریہ محمد بن مسلمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳ھ کا ہے۔ کعب بن اشرف ایک یہودی شاعر تھا۔ آپ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔ اور مشرکین کو آپ کے مقابلے کے لئے بھڑکاتا تھا۔ جب مدینے کے لوگوں کو جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری ملی تو کعب کو بہت صدمہ ہوا۔ پھر اس نے مکے جا کر مقتولین بدر کے مرثیئے لکھے۔ جن کو پڑھ کر وہ خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا۔ اس کے بعد وہ مدینے واپس آ گیا اور اپنے اشعار کے ذریعے مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کرنے لگا۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ جن میں کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی ابو نائلہ بھی تھا، رات کے وقت اس کو قلعے سے نیچے بلا کر اس کا کام تمام کر دیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اس کے واصل جہنم ہونے کی خبر دی۔

تیسری ہجری:

۱۔ غزوہ غطفان: اس کو غزوہ انمار، غزوہ ذی امر اور غزوہ نجد بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ محرم میں ہوا۔ واقدی اور ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ ربیع الاول میں ہوا۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب (قبیلہ غطفان کی شاخیں) نجد میں جمع ہو رہے ہیں اور مدینے میں لوٹ مار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کا سردار دعثور غطفانی تھا۔ آپ نے ۴۵۰ صحابہ کرامؓ کے ساتھ نجد کی طرف خروج کیا۔ صفر کا پورا مہینہ آپ نے وہاں گزارا مگر کوئی بھی مقابلے پر نہ آیا۔ ذوامر - نجد کے علاقے میں ایک چشمہ کا نام ہے۔

۲۔ غزوہ بحران: اس کو غزوہ بنی سلیم بھی کہتے ہیں۔ واقدی اور ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ جمادی الاول میں ہوا۔ پھر آپ ۳۰۰ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ قریش کے ارادے سے نکلے یہاں تک کہ آپ فرع کے نواح میں مقام بحران تک پہنچے۔ بنی سلیم کے لوگ آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے اور آپ بغیر لڑائی کے مدینے واپس آ گئے۔

۳۔ سریہ زید بن حارثہ: اس کو سریہ قرد بھی کہتے ہیں۔ قرد ذات عرق کے نواح میں ربذہ اور غمرہ کے درمیان نجد کے علاقے میں واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جمادی الآخر میں حضرت زید بن حارثہ کی سربراہی میں سو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو قریش کا ایک تجارتی قافلہ روکنے کے لئے بھیجا جو مکہ سے بہت سا مال لے کر عراق کے راستے روانہ ہوا۔ یہ پہلا سریہ تھا جس میں حضرت زید کو امیر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت زید نے قافلے کو نجد کے چشموں پر جا لیا۔ اہل قافلہ اپنا تمام مال چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مال غنیمت کو مجموعی مالیت ایک لاکھ درہم تھی۔

۴۔ حویصہ کا اسلام: کعب بن اشرف کے قتل کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ اس قسم کے یہودیوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر ڈالو۔ حویصہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور محیصہ سے عمر میں بڑے تھے۔ محیصہ نے ابن سعد سینہ یہودی کو قتل کر دیا جو بڑا تاجر تھا۔ حویصہ نے محیصہ کو پکڑ کا مارنا شروع کر دیا۔ محیصہ نے کہا کہ مجھے ایک ایسی ذات نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے کہ اگر وہ

تیرے قتل کا حکم دیتی تو میں تیری گردن مار دیتا۔ حویصہ یہ سن کر حیران رہ گیا اور رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا۔

۵۔ غزوہ احد: یہ غزوہ شوال ۳ھ میں ہوا۔ احد مدینہ منورہ کے قریب مشہور پہاڑ ہے۔ ابتداء میں آپ کے ساتھ ایک ہزار افراد تھے۔ عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین تین سو منافقوں کے لے کر راستے ہی سے لوٹ گیا۔ اس طرح آپ کے ساتھ سات سو آدمی رہ گئے۔ جبکہ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔ پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی جسے دیکھ کر مسلمان اس پاری درہ کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے جس کو کسی قیمت چھوڑنے کی آنحضرت ﷺ نے ان کو تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ کفار کے ایک دستے نے اس درے کو خالی دیکھ کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا جس سے ان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو جزوی طور پر شکست ہوئی۔

۶۔ غزوہ حمراء الاسد: شوال ہی میں قریش کے لوگ غزوہ احد سے واپس ہو کر مقام روحا میں ٹھہرے تو ان کو خیال آیا کہ پلٹ کر دفعتاً مدینے پر حملہ کر دینا چاہئے۔ مسلمان اب مقابلے کی تاب نہیں لا سکیں گے۔ معبد خزاعی نے ابوسفیان کو بتایا کہ محمد ﷺ بڑی عظیم الشان جمعیت کے ساتھ تمھارے تعقب میں نکلے ہیں۔ جو لوگ اس روز ان کے ساتھ شریک نہیں تھے اب وہ بھی ان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ وہ سب شدید غصے میں ہیں۔ ابوسفیان یہ سنتے ہی مکہ واپس چلا گیا۔

۷۔ حضرت ام کلثوم کا نکاح: اسی سال آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان سے ہوا۔

۸۔ حضرت حفصہ سے نکاح: اسی سال آپ نے حضرت حفصہ بنت عمر سے نکاح کیا۔ ان کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمی سے ہوا تھا۔ انہی کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے آئیں۔ خنیس کے انتقال کے بعد آپ نے ۳ھ میں ان سے عقد کیا۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں شعبان ۴۵ھ میں مدینے میں وفات پائی۔

۹۔ حضرت زینب سے نکاح: اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب بن خزیمہ سے نکاح کیا۔ یہ بہت ہی سخی اور فیاض تھیں اسی لئے ایام جہالیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں۔ صحیح قول کے مطابق ان کا پہلا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ عدت پوری ہونے پر آپ نے اس ان سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے بعد صرف دو تین ماہ زندہ رہیں۔

۱۰۔ میت پر نوحہ کی ممانعت کا حکم: غزوہ احد کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ میت پر نوحہ کرنا، چہرہ پیٹنا، گریبان چاک کرنا اور ماتم وغیرہ کرنا حرام ہے۔

۱۱۔ ابی بن خلف کا ہلاک ہونا: اسی سال تاریخ اسلام کا وہ واحد شخص واصل جہنم ہوا جو غزوہ احد میں آپ کی ضرب سے زخمی ہوا تھا۔ او پھر مرالظہر ان (وادی فاطمہ) میں پہنچ کر ہلاک ہوگیا۔ اس کا نام ابی بن خلف تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص آپ کے ہاتھ سے ہلاک نہیں ہوا۔

۱۲۔ حضرت حمزہ کی شہادت: اسی سال حضرت حمزہ بن عبدالمطلب غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

چوتھی ہجری:

۱۔ سریہ ابی سلمہ: یہ سریہ غزوہ احد سے واپسی کے بعد محرم کے شروع میں قطن کی طرف بھیجا گیا جو بنو عبس یا بنو اسد کے علاقے میں ایک پہاڑ ہے اور یہ کھجور کے درختوں اور پانی کے چشموں کی کثرت کے لئے مشہور ہے۔ رسول ﷺ کو خبر ملی تھی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنی قوم کو آپ ﷺ سے لڑائی کے لئے جمع کر رہے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لئے ابو سلمہ بن عبد الاسد کو ۱۵۰ مہاجرین و انصار کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ ابو سلمہ نے بنی اسد کے علاقے میں پہنچ کر ان کا پیچھا کیا مگر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ بہت سے اونٹ اور بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آ ئیں۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ہر شخص کے حصے میں سات سات اونٹ اور بکریاں آ ئیں۔

۲۔ حضرت ابوسلمہ کی وفات: جنگ احد میں حضرت ابوسلمہ کے شانے پر ایک زخم لگا تھا اور اچھا ہو گیا تھا۔مگر سفر کے بعد وہ زخم پھر تازہ ہو گیا اور اسی سے انتقال ہوا۔

۳۔ بیئرمعونہ کا واقعہ: اس کو سریۃ القراء بھی کہتے ہیں۔ یہ واقعہ صفر میں پیش آیا۔ابو براء عامر بن مالک کی درخواست اور ضمانت پر آپ نے حضرت منذر بن عمرو الساعدی کی سربراہی میں چالیس یا ستر صحابہ کرامؓ کو جو قراء کہلاتے تھے دعوت اسلام کے لئے اہل نجد کی طرف بھیج دیا۔ جب یہ لوگ ایک کنوئیں کے پاس پہنچے جس کو بیئرمعونہ کہتے ہیں اور جو مکے اور عسفان کے درمیان بنو ھذیل کے ایک مقام کا نام ہے،عصیہ رعل اور ذکوان کے لوگوں نے اچانک حملہ کر کے سب کو شہید کر دیا سوائے کعب بن زید انصاری کے۔ وہ لوگ ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔مگر ان میں زندگی کی رمق باقی تھی چنانچہ بعد میں وہ ہوش میں آ گئے اور بہت عرصے تک زندہ رہے۔ان کے علاوہ زندہ بچنے والوں میں دو آدمی عمرو بن امیہ ضمیری اور منذر بن محمد بھی تھے۔ یہ دونوں مویشی چرانے گئے ہوئے تھے۔ بعد میں ان دونوں نے بڑھ کر کفار سے قتال کیا جس میں حضرت منذر شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ ضمیری گرفتار ہو گئے۔ بعد میں ان کو سر کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا گیا۔

۴۔ حادثہ رجیع: اس کو سریہ عاصم بھی کہتے ہیں۔ حادثہ رجیع صفر میں پیش آیا۔آپ نے حضرت عاصم بن ثابت کو چھ یا دس صحابہ کے ساتھ عضل اور قارہ کے لوگوں کی خواہش پر احکام دین کی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا۔ بخاری کی روایت میں دس آدمیوں کا ذکر ہے اور ابن اسحاق نے چھ آدمی بتائے ہیں۔ رجیع پہنچنے پر ان لوگوں کو سو کافروں نے نرغے میں لے کر حضرت خبیب اور زید بن دثنہ کے سوا سب کو شہید کر دیا اور ان دونوں کو مکہ لے جا کر فروخت کر دیا۔رجیع بنو ہذیل کے کنوئیں کا نام ہے جو مکہ اور عفسان سے آٹھ میل پر واقع ہے۔

۵۔ قتل سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کی ابتداء: بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت خبیب ہی وہ پہلے شخص ہیں جن کے قتل سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کا طریقہ چلا ہے۔

۶۔ غزوہ بنی نضیر: یہ غزوہ ربیع الاول میں ہوا۔ بنونضیر کا بہت بڑا قبیلہ تھا جو مسجد قبا کے قریب عوالی کی طرف مدینے سے چھ میل پر تھا۔ احد کی جزوی شکست کے بعد یہ لوگ علی الاعلان مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ آپ نے ان کو مدینے سے نکل جانے کا حکم دیا تو پہلے انہوں نے انکار کر دیا اور پھر جب آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا تو چھ رات کے محاصرے کے بعد یہود قلعے سے اتر آئے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ زرہ اور اسلحے کے علاوہ ایک اونٹ پر جتنا سامان لاد سکتے ہو وہ لے جاؤ اور اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ اس طرح بنونضیر کے لوگ شام کی طرف چلے گئے سوائے دو خاندانوں کے ایک ال حقیق اور دوسرا حیی بن اخطب کا خاندان۔ یہ دونوں خاندان شام کے بجائے خیبر چلے گئے۔

۷۔ شراب کی حرمت کا حکم: ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ شراب کے حرام ہونے کا حکم اسی غزوے میں نازل ہوا۔

۸۔ غزوہ بدر صغریٰ: یہ غزوہ شعبان یا ذی قعدہ میں ہوا۔ اس کو بدر صغری، بدر ثالثہ اور بدر اخیرہ اور بدر موعد بھی کہتے ہیں۔ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ آئندہ سال بدر میں مقابلہ ہوگا۔ چنانچہ آپ پندرہ سو صحابہؓ کے ہمراہ شعبان کے مہینے میں بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بدر پہنچ کر آپ نے آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار کیا پھر بلا قتال مدینے واپس آ گئے۔

ادھر ابوسفیان مکے سے دو ہزار آدمیوں اور پچاس گھوڑوں پر مشتمل لشکر لے کر روانہ ہوا۔ مرالظہران یا عسفان تک آیا مگر مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ اس سال گرانی اور خشک سالی ہے اس لئے جنگ مناسب نہیں۔

۹۔ ابورافع کا قتل: اس کو سریہ عبداللہ بن عتیک بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام عبداللہ بن ابی الحقیق اور کنیت ابورافع تھی۔ اس کو سلام بن ابی الحقیق بھی کہتے تھے۔ یہ بڑا مالدار یہودی تاجر تھا۔ آنحضرت ﷺ کا سخت دشمن اور آپ کو طرح طرح سے ایذا دیتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کے لئے پانچ

یا سات صحابہؓ کو بھیجا۔ ان میں عبداللہ بن عتیک بھی تھے۔ جنہوں نے رات کے وقت خیبر کے قریب اس کے قلعے میں داخل ہو کر اس کو قتل کر دیا جبکہ وہ سویا ہوا تھا۔ واقدی کہتے ہیں یہ ذی الحجہ ۴ ھ میں قتل ہوا اور ابن سعد کے مطابق یہ رمضان ۶ ھ میں قتل ہوا۔

۱۰۔ غزوہ ذات الرقاع: اس کو غزوہ نجد، غزوہ محارب، غزوہ ثعلبہ، غزوہ انمار، غزوہ صلاۃ خوف اور غزوہ الاعاجیب بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ جمادی الاوّل میں ہوا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ محرم ۵ ھ میں ہوا۔ غزوہ بنی نضیر کے بعد آپ کو خبر ملی کہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ (قبیلہ عظفان کی دو شاخیں) آپ کے خلاف لشکر جمع کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ چار سو صحابہؓ کو لے کر روانہ ہوئے۔ بعض روایتوں میں سات سو اور آٹھ سو کی تعداد بھی آئی ہے۔ بنو محارب اور بنو ثعلبہ مقابلے پر نہیں آئے، بلکہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ اس غزوے میں راستہ چلتے چلتے لوگوں کے پیر پھٹ گئے تھے اس لئے لوگوں نے پیروں پر کپڑے لپیٹ لئے تھے۔ رقاع چونکہ کپڑے کی چندیوں اور چیتھڑوں کو کہتے ہیں اس لئے اس غزوہ ذات الرقاع بھی کہتے ہیں۔

۱۱۔ صلوٰۃ الخوف: اس غزوے میں صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت ہوئی۔

۱۲۔ عبداللہ بن عثمان کی وفات: اس سال عبداللہ بن عثمان بن عفان کی وفات ہوئی۔

پانچویں ہجری:

۱۔ غزوہ دومۃ الجندل: دومۃ الجندل مدینے سے پندرہ سولہ دن کی مسافت پر اور دمشق سے پانچ دن کی مسافت پر شام کے قریب واقع ہے۔ یہ غزوہ ربیع الاوّل میں ہوا۔ آپ کے ہمراہ ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر تھا۔ راستے کی راہنمائی کے لئے بنی عذرہ کا ایک شخص ہمراہ تھا۔ اس غزوے میں آپ رات کے وقت سفر فرماتے تھے اور اپنے آپ کو دشمن سے پوشیدہ رکھنے کے لئے دن میں چھپے رہتے تاکہ دشمن پر اچانک بے خبری میں ٹوٹ پڑیں۔ اہل دومہ آپ کی خبر پاتے ہی منتشر ہو گئے لہذا آپ کو

وہاں کوئی نہ ملا۔ آپ وہاں چند روز قیام فرما کر بلا قتال وجدال مدینے واپس آ گئے۔

۲۔ غزوہ بنی مصطلق یا مریسیع: واقدی کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ماہ شعبان میں ہوا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ یہ ٦ھ میں ہوا۔ موسیٰ بن عقبہ کا قول ۴ھ کا ہے اور حضرت عروہ کی روایت ہے کہ یہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ بنی مصطلق قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ کا نام تھا جو قدید کے قریب مکہ اور مدینے کے درمیان آباد تھے۔ مریسیع ان کے کنوئیں کا نام تھا۔ اس غزوے میں آپ نے اسی کنوئیں پر قیام فرمایا تھا۔ اسی لئے اس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنی قوم اور دوسرے قبائل کی مدد سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ شعبان کی ۲ تاریخ کو پیر کے روز مریسیع کی طرف روانہ ہو گئے۔ منافقین بھی غنیمت کی طمع میں آپ کے ساتھ ہو گئے جو اس سے پہلے غزوات میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ آپ کی روانگی کی خبر سے کفار پر رعب طاری ہو گیا اور بیشتر قبائل منتشر ہو گئے۔ حارث کے ساتھ صرف اس کے قبیلہ کے لوگ رہ گئے۔ آپ نے مریسیع پہنچ کر ان پر حملہ کیا تو وہ حملے کی تاب نہ لا کر شکست کھا گئے۔ ان کے دس آدمی قتل ہوئے، باقی تمام مرد وعورت، بچے سب گرفتار ہو گئے، دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

۳۔ تیمم کی آیت کا نزول: اسی غزوہ میں حضرت عائشہؓ کا ہار کہیں گر گیا اور آنحضرت ﷺ اور اہل لشکر کو اس کی تلاش میں رکنا پڑا اور لوگوں کے پاس وضو کے لئے پانی نہ تھا سو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔

۴۔ ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا: بنی مصطلق کے قیدیوں میں ان کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو جویریہ ثابت بن قیس کے حصے میں آئی۔ ثابت بن قیس نے جویریہ سے مکاتبت کر لی۔ یعنی اتنی رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے ادھر حارث نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں قبیلہ بنی مصطلق کا سردار ہوں۔ میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس کو آزاد فرما دیں، آپ نے فرمایا کہ میں اس معاملہ کو جویریہ پر چھوڑتا ہوں۔ حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا

کہ آپ نے یہ معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ جویریہؓ نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرتی ہوں۔ چنانچہ آپ نے جویریہؓ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ جب صحابہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ اب یہ رسول ﷺ کے اقربا میں داخل ہو گئے ہیں۔

۵- جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حارث کا اسلام: حارث بن ضرار اپنی بیٹی کے فدیے کے لئے بہت سے اونٹ لے کر مدینہ آئے۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے ایک گھاٹی میں چھپا دیئے تاکہ واپسی میں ان کو لے لیں۔ مدینے پہنچ کر اونٹ آپ کے سامنے پیش کر کے کہا یہ میری بیٹی کا فدیہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ حارث نے فوراً کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کے بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ اللہ ہی نے آپ کو مطلع کیا ہے۔

۶- غزوہ خندق: یہ غزوہ شوال یا ذی قعدہ میں ہوا۔ اس کو قرآن کریم نے غزوہ احزاب کہا ہے کیونکہ اس میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو ختم کر دینے کا معاہدہ کر کے مدینے پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم سے دشمن کے راستے میں خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی۔ البتہ چوڑائی اور گہرائی کی صحیح مقدار کسی روایت میں مذکور نہیں۔ کھدائی کے لئے ہر دس گز (شرعی) پر دس آدمی مامور تھے۔ اس طرح یہ طویل وعریض اور خوب گہری خندق چھ روز میں مکمل ہوئی۔ اس غزوے میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور مشرکین کی تعداد دس یا بارہ ہزار یا پندرہ ہزار تھی۔ محاصرین تین ہفتے سے زیادہ عرصے تک رہا۔ آخر مشرکین بغیر لڑے بھاگ نکلے۔

۷- غزوہ بنی قریظہ: غزوہ خندق کے بعد ذی قعدہ میں غزوہ بنی قریظہ ہوا۔ بنو قریظہ یہودی تھے اور مدینے کے قریب آباد تھے۔ انہوں نے بدعہدی کی تھی اس لئے آپ نے اللہ کے حکم سے ان کا محاصرہ

کرلیا جو ۲۵ روز تک جاری رہا۔ آخر وہ محاصرے سے تنگ آ گئے اور اللہ نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دیا ۔ پھر آپ نے ان کا فیصلہ حضرت سعد کے سپرد کر دیا۔ حضرت سعد نے فیصلہ دیا کہ ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے مال کو بانٹ لیا جائے اور ان کے گھر مہاجرین اور انصار کو دے دیے جائیں۔ حضرت سعد کا فیصلہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق کیا۔

۸۔ تین صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کی وفات: اسی سال ام سعد بن عبادہ، حضرت سعد بن معاذ اور عبداللہ بن سہل نے وفات پائی۔

چھٹی ہجری:

۱۔ سریہ عبداللہ بن انیس اسلمی: محرم ۶ ھ میں یہ سریہ سفیان بن خالد ہذلی اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے میں بطن عرنہ بھیجا گیا جو عرفات کے قریب ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ سفیان بن خالد مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ نے عبداللہ بن انیس کو اس کے مقابلے پر بھیجا بطن عرنہ پہنچ کر انہوں نے حیلے سے اپنے آپ کو اس کے لشکر میں شامل کر لیا اور موقع پا کر اس قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر راتوں کو سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ آ گئے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ چہرہ کامیاب ہو گیا۔ ان کا یہ سفر اٹھارہ روز میں مکمل ہوا۔ اور بروز ہفتہ ۲۳ محرم کو وہ مدینے واپس پہنچے۔

۲۔ سریہ محمد بن مسلمہ: اس کو سریہ نجد بھی کہتے ہیں۔ آپ نے محرم میں تیس سواروں کے ہمراہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو قرطاء کی جانب روانہ فرمایا۔ قرطاء ایک قبیلے کا نام ہے جو قیس عیلان کی ایک شاخ بنو عبد بن بکر کہلاتے ہیں۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر چھاپہ مارا۔ ان کے دس آدمی مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

۳۔ غزوہ بنی لحیان: یہ غزوہ ربیع الاوّل میں ہوا۔ بنولحیان عسفان کی جانب آباد تھے جو مکہ اور مدینے کے درمیان مکہ سے دو مرحلے کے پر واقع ہے۔ شہدائے رجیع کا بدلہ لے لئے آپ دو سو صحابہؓ کے ہمراہ بنولحیان کے ارادے سے نکلے۔ آپ کا مقصد بنولحیان کا سزا دینا تھا۔ مقصد کو پوشیدہ رکھنے کے لئے پہلے آپ نے شام کی طرف سفر کیا پھر نخیص کتراتے ہوئے صخیرات الثمام پہنچے۔ وہاں سے آپ نے محجہ کا راستہ اختیار کیا جو مکے کے راستے میں ہے۔ پھر آپ وادی غران میں اترے جو امج اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔ یہیں بنی لحیان کے مکانات ہیں۔ بنولحیان آپ کی اطلاع پاتے ہی پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ پھر مکہ کی جانب بڑھے اور عسفان پہنچ کر قیام فرمایا۔ پھر آپ مدینے واپس تشریف لے آئے۔

۴۔ غزوہ ذی قرد: ذوقرد ایک کنوئیں کا نام ہے جو خیبر کے راستے میں غطفان کے قریب مدینے سے ایک منزل پر واقع ہے۔ اس کو غزوہ غابہ بھی کہتے ہیں۔ غابہ کے معنی جنگل کے ہیں اور یہاں وہ میدان مراد ہے جہاں رسول ﷺ کے اونٹ چرا کرتے۔ یہ جگہ کوسلع کے پاس تھی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ربیع الاوّل میں ہوا۔ اور واقدی کہتے ہیں کہ ربیع الآخر میں ہوا۔ اور بعض کے نزدیک حدیبیہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے پہلے ذی الحجہ میں ہوا۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے اپنے غلام رباح کو اپنے اونٹ دیکھنے کے لئے بھیجا۔ ان کے ہمراہ سلمہ بن اکوع بھی تھے۔ یہ لوگ صبح سویرے ابھی راستے ہی میں تھے کے عینیہ بن حصین فزاری آپ کے اونٹوں پر حملہ کر کے سب کو ہانک کر لے گیا اور چرواہے کو قتل کر کے اس کی بیوی کو بھی ساتھ لے گیا۔ واقعہ کی اطلاع کرنے کے لئے سلمہ نے رباح کو مدینے بھیج دیا اور خود دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ادھر مدینے خبر پہنچی تو آپ نے سب سے پہلے حضرت مقداد بن عمرو کو روانہ فرمایا پھر آپ سات سو صحابہ کرامؓ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نہتا پاپیادہ عینیہ کا تعاقب کرتے رہے ارو تیر اندازی کر کے تمام اونٹ چھڑا لئے۔ دشمن سے تمیں چادریں، تمیں نیزے اور

تیس ڈھالیں بھی چھین لیں ۔کئی کافروں کو جہنم رسید کیا۔ یہ اونٹوں کو واپس لا رہے تھے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ پہنچ گئے ۔پھر آپ یہیں سے مدینے واپس آ گئے ۔

۵- سریہ عکاشہ بن محصن: یہ سریہ ربیع الاول یا ربیع الآخر میں غمر کی طرف بھیجا گیا۔حضرت عکاشہ کے ہمراہ چالیس آدمی تھے۔اہل غمر خبر پاتے ہی مختلف سمتوں میں بھاگ گئے اور حضرت عکاشہ بغیر لڑائی کے مدینے واپس آ گئے ۔دوسو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے ۔

۶- سریہ بن مسلمہ ۲: یہ سریہ ربیع الاول یا ربیع الآخر میں بنو ثعلبہ و بنو عوال کی جانب سے بھیجا گیا جو مدینے سے چالیس میل کے فاصلے پر ربذہ کے راستے میں موضع ذوالقصہ میں آباد تھے۔حضرت محمد بن مسلمہ کے ہمراہ دس آدمی تھے ۔جن میں سے بیشتر شہید ہو گئے اور کفار کو غلبہ ہوا۔

۷- سریہ عبیدہ بن جراح: ربیع الآخر کے آخری دونوں میں ہوا۔ یہ بھی ذات القصہ کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت عبیدہ کے ہمراہ چالیس سوار تھے۔اس میں دشمن مغلوب ہوا اور بہت سے مویشی غنیمت میں ملے ۔

۸- سریہ زید بن حارثہ: یہ سریہ ربیع الاول کے آخری دن یا ربیع الآخر میں بنی سلیم موضع جموم کی طرف بھیجا گیا۔ جو مدینے سے ۱۲ میل پر بطن نخلہ کے قریب ایک جگہ تھی ۔اس میں چوپائے ، بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے ۔

۹- سریہ زید بن حارثہ ۲: یہ سریہ جمادی الاول میں عیص کی طرف بھیجا گیا جو مدینے سے چار رات کی مسافت پر واقع تھا۔رسول ﷺ کو خبر ملی تھی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے آ رہا ہے۔آپ نے اس کو روکنے کے لئے حضرت زید بن حارثہ کو ایک سو ستر سواروں کے ہمراہ بھیجا۔حضرت زید اور ان کے ساتھیوں نے اہل قافلہ کو قید کر کے ان کے تمام مال پر قبضہ کر لیا۔قیدیوں میں آپ کے داماد ابوالعاص بن الربیع بھی تھے ۔آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور لوگوں میں اس کا اعلان کیا۔ پھر آپ نے بھی ان کو پناہ دی اور ان کا لوٹا ہوا مال لوٹا دیا۔

۱۰۔ سریہ زید بن حارثہ۳: جمادی الآخریٰ میں بنوثعلبہ بن سعد کی طرف موضع طرف بھیجا گیا۔ طرف بنوثعلبہ کے ایک کنوئیں کا نام ہے جو عراق کے راستے میں مدینے سے ۳۶ میل پر واقع ہے۔ حضرت زید کے ہمراہ پندرہ آدمی تھے۔ مگر مقابلہ نہیں ہوا۔ کیونکہ بنوثعلبہ نے اس خوف سے کہ آنحضرت ﷺ ان کے مقابلے پر آرہے ہیں، راہ فرار اختیار کر لی۔ حضرت زید چوپائیوں اور بکریوں کو لے کر مدینے پہنچ گئے۔

۱۱۔ سریہ زید بن حارثہ۴: یہ سریہ جمادی الآخر میں۔ بنوجزام کی طرف وادی القریٰ سے آگے حسمیٰ کی طرف بھیجا گیا۔ دحیہ بن خلیفہ کلبی ۶ ھ میں قیصر کے پاس سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ہنید بن عارض اور اس کے لڑکے عارض بن ہیند نے اپنے قبیلے کچھ لوگوں کے ہمراہ حسمیٰ کے علاقے میں حضرت دحیہ کا راستہ روک کر ان کا سب مال ومتاع چھین لیا، سوائے ایک چھوٹے سے کپڑے کے۔ انہوں نے واپس آکر آنحضرت ﷺ کو واقع کی اطلاع کیا۔ آپ نے حضرت دحیہ کے ساتھ زید بن حارثہ کو پانچ سو افراد کے ہمراہ روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر ان پر حملہ کر دیا اور ہنید اور اس کے لڑکے کو قتل کر کے ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور سو عورتیں اور بچے قیدی بنائے، اس کے بعد زید بن فراع الجذامی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور مال واپسی کرنے کی درخواست کی جو آپ نے قبول فرمائی اور ان کا سامان واپس فرما دیا۔

۱۲۔ سریہ زید بن حارثہ۵: یہ سریہ رجب میں بنوفزارہ کی طرف وادی القریٰ بھیجا گیا۔ مگر اس میں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

۱۳۔ سریہ عبدالرحمٰن بن عوف: شعبان ۶ ھ میں سات سو صحابہ کرامؓ پر مشتمل یہ سریہ دومۃ الجندل بھیجا گیا۔ بیشتر لوگ اسلام کے آئے اور باقی لوگوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

۱۴۔ سریہ علی ابن علی طالب: شعبان ہی میں حضرت علیؓ کو سو افراد کے ساتھ بنوسعد بن بکر کی جانب فدک بھیجا گیا جو مدینے سے چھ رات کی مسافت پر خیبر کے قریب واقع ہے۔ یہ لوگ رات کو سفر

کرتے تھے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ہمج پہنچ گئے۔ جو خیبر اور فدک کے درمیان ایک کنواں ہے۔ پھر انہوں نے حملہ کر کے بنو سعد کے پانچ سو اونٹوں اور ایک ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا۔

۱۵۔ سریہ زید بن حارثہ: رمضان ۶ ھ میں زید بن حارثہ کے بنی بدر میں سے بنو فزارہ کی ام قرفہ طرف بھیجا۔ یہ علاقہ وادی القریٰ کے علاقے میں ہے۔ اس سریہ میں کچھ کفار قتل ہوئے اور کچھ قید ہوئے۔

۱۶۔ سریہ عبداللہ بن رواحہ: تیس افراد پر مشتمل یہ سریہ شوال میں اسیر بن رزام یہودی کی طرف خیبر بھیجا گیا۔ اس میں اُسیر سمیت تیس یہودی کام آئے جبکہ تمام مسلمان محفوظ رہے۔

۱۷۔ سریہ کرز بن جابر فہری: یہ سریہ بھی شوال میں ہوا۔ بعض کے نزدیک اسی سال جمادی الآخری اور بعض کے نزدیک ذی الحجہ میں ہوا۔ عکل کے کچھ لوگ رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان کو مدینے کی آب وہوا موافق نہ آئی تو آپ نے حکم دیا کہ وہ صدقے کے اونٹوں کے باڑوں کے پاس جا کر رہیں۔ وہاں جانے کے بعد جب وہ تندرست ہو گئے تو اسلام سے منحرف ہو گئے اور چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے۔ جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے کرز بن جابر فہری کو بیس سواروں کے ہمراہ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ وہ لوگ گرفتار ہو کر آئے تو آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور ان کو حرہ میں پھنکوا دیا اور وہ وہیں مر گئے۔

۱۸۔ عمرۃ الحدیبیہ: حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جو مکہ سے ۹ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس سے متصل ایک گاؤں آباد ہے جس کا بیشتر حصہ حرم میں داخل ہے اور باقی حصہ حل میں ہے۔ آپ نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ کچھ لوگوں نے سر منڈوایا اور کچھ لوگوں نے سر کے بال اتروائے۔ اسی حالت میں آپ نے کعبہ کی کنجی لی اور بیت اللہ میں داخل ہو گئے۔ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس کا واقع ہونا یقینی تھا مگر خواب میں کسی سال یا مہینے کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ صحابہؓ نے خواب سن کر عمرے کے لئے تیاری شروع کر دی پھر آپ نے بھی ارادہ فرما لیا۔ چنانچہ آپ ذیقعدہ ۶ ھ میں چودہ یا پندرہ سو صحابہ کے ہمراہ مکے روانہ ہو گئے اور ذوالحلیفہ پہنچ

کر آپ نے عمرہ کا احرام باندھا مگر کفار کی ہٹ دھرمی کے باعث آپ اس سال عمرہ نہ ادا کر سکے۔ پھر طویل گفتگو کے بعد مشرکین مکہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس صلح نامے کی رو سے آپ نے صحابہ کے ہمراہ اس سے اگلے سال عمرے کی قضا کی۔

۱۹۔ بیعت رضوان: عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر جب آپ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے اور مشرکین سے عمرے کی ادائیگی کی گفت وشنید جاری تھی تو اسی اثنا میں آپ نے حضرت عثمان کو مشرکین کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ جا کر ان کو دعوت اسلام دو اور بتا دو کہ ہم ان سے لڑنے نہیں آئے۔ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ جو ضعیف مسلمان مرد اور عورتیں ہجرت نہیں کر سکے اور مصائب میں مبتلا ہیں ان کو تسلی دینا اور بشارت دینا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب مکہ میں اپنے دین کا غلبہ عطا فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے مکہ جا کر قریش کو دعوت اسلام دی۔ اور بتایا کہ رسول ﷺ تم سے لڑنے نہیں آئے بلکہ عمرہ ادا کرنے آئے ہیں مگر قریش نے جواب دیا کہ محمد ﷺ کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی اثناء میں آپ کو خبر ملی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جب تک میں ان سے بدلہ نہیں لے لوں گا۔ یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر آپ نے لوگوں سے بیعت کے لئے طلب فرمایا اور ببول کے ایک درخت کے نیچے، جس کے سائے میں آپ بیٹھے ہوئے تھے، آپ صحابہ سے جہاد کے لئے بیعت لی۔ اسی بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔

۲۰۔ سورہ فتح کا نزول: صلح حدیبیہ کے بعد، جب آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینے کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ضجنان کے مقام پر جو مکہ سے تقریباً ۲۵ میل دور ہے یا بعض مفسرین کے مطابق کراع الغمیم کے مقام پر سورہ فتح نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ جس صلح کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں وہ دراصل فتح عظیم ہے۔

ساتویں ہجری:

۱۔ سلاطین کو دعوت اسلام: حدیبیہ سے واپس آ کر آنحضرت ﷺ نے محرم سن ۷ ہجری میں، اطراف کے ملوک اور سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ میں سے بعض نے عرض کیا کہ جس خط پر مہر نہ ہو، ملوک اور سلاطین اس کا قابل اعتبار و اعتماد نہیں سمجھتے اور نہ ہی وہ ایسے خطوط کو پڑھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس مشورے کو قبول فرماتے ہوئے چاندی کی ایک مہر (جو آپ کی انگھوٹی تھی) بنوائی جس میں تین سطروں میں ''محمد رسول اللہ'' اس طرح کندہ تھا کہ اوپر لفظ ''اللہ'' سے نیچے لفظ ''محمد'' اور درمیان میں ''رسول'' تھا۔

۲۔ نامہ مبارک بنام قیصر: حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی نے بیت المقدس پہنچ کر امیر بصریٰ کے توسط سے آپ کا نامہ مبارک قیصر کو پیش کیا۔ قیصر اس وقت ایرانیوں پر فتح پانے کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ قیصر نے آپ کے نامہ مبارک کو سر اور آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا۔ پھر اس نے اس کو کھول کر پڑھا اور کہا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا۔ اس کے بعد قیصر نے حضرت دحیہ کلبی کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ تمہارے دوست نبی مرسل ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ ہے روم کے لوگ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ان کی اتباع کرتا۔

۳۔ نامہ مبارک بنام کسریٰ: آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس بھیجا۔ جو اس وقت نینوا میں مقیم تھا اور قیصر سے جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ نے آپ کا نامہ مبارک خسرو کی پیش کیا۔ جس نے ترجمان کو بلا کر پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر خسرو نے طیش میں آ کر آپ ﷺ والا نامہ چاک کر دیا اور غضبناک ہو کر کہنے لگا ''غلام کو یہ جرات کہ ہمارے نام اس طرح خط لکھے۔ یمن کے گورنر کو حکم دیا جائے اور اس کو پکڑ کر ہمارے دربار میں بھیج دے۔'' حضرت عبداللہ بن حذافہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

۴۔ نامہ مبارک بنام نجاشی: محرم سن ۷ ہجری حضرت عمرو بن امیہ ضمری آپ کا نامہ مبارک لے کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پہنچے۔ اس سے پہلے اور بعد میں بھی آپ نے نجاشی کو خطوط بھیجے۔ نجاشی نے آپ کا نامہ مبارک کو آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اسلام قبول کیا اور حق کی شہادت دی اور آپ کے نامے کا جواب لکھوایا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری نے واپس آ کر نجاشی کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا اور تمام واقعات بیان کئے۔

۵۔ نامہ مبارک بنام مقوقس: آپ نے حاطب بن ابی بلعہ کو اپنا نامہ مبارک دے کر مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس بھیجا۔ اس نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ کے نامہ مبارک کو لیا اور پڑھا اور اقرار کیا کہ بلاشبہ آپ ﷺ وہی نبی ہیں جن کی پہلے انبیاء نے بشارت دی ہے مگر وہ ایمان نہیں لایا۔ نصرانیت پر قائم رہا۔ حضرت حاطب نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر تمام واقعات بیان کئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے ملک اور سلطنت کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا اور اس کا ملک اور سلطنت باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے مصر کو فتح کر لیا۔

۶۔ نامہ مبارک بنام منذر بن ساوی: جعرانہ سے واپسی کے بعد مکہ سے پہلے حضرت علاء بن الحضرمی کو دعوت اسلام کا خط دے کر منذر بن ساوی کے پاس بحرین بھیجا۔ منذر بن ساوی آپ کا نامہ مبارک پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور آپ ﷺ کو ایک خط لکھا۔ حضرت علاء بن الحضرمی خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو بحرین کے حالات سے مطلع فرمایا۔ پھر آپ نے اس کو ایک اور نامہ مبارک تحریر فرمایا جس میں اسے بحرین کی گورنری پر بحال رکھا اور غیر مسلم باشندوں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی۔

۷۔ نامہ مبارک بنام شاہ عمان: بحرین کی طرح عمان بھی عرب ہی کا حصہ ہے اور مشرقی عرب میں واقع ہے۔ بعثت نبوی کے زمانے میں یہاں جیفر اور عبد نامی دو بھائی حکمران تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں بھائیوں کے نام ذیقعدہ ۸ ہجری میں حضرت عمرو بن عاصؓ کے ذریعے نامہ مبارک

ارسال فرمایا جس کو پڑھ کر جیفر اور عبد قدرے تامل کے بعد خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔

۸- نامہ مبارک بنام رئیس یمامہ: یمامہ عرب کا ایک اہم خطہ ہے۔ مشرکین مکہ کی غذائی ضرورتوں کے لئے غلہ یہیں سے آتا تھا۔ زمانہ نبوت میں یہ فارس کے زیر اقتدار تھا اور ھوذہ بن علی یہاں گورنر تھا۔ حضرت سلیط بن عمرو نے ہوذہ کو آپ کا والا نامہ پہنچایا۔ اس نے آپ کی اتباع کے لئے حکومت میں شرکت کی شرط رکھی مگر آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں اس کو ایک بالشت زمین بھی نہ دوں گا۔ وہ بھی ہلاک ہوا اور اس کا ملک بھی۔

۹- نامہ مبارک بنام حارث غسانی: پانچ سو سال تک غسانی خاندان، شام پر حکمران رہا۔ بعثت نبوی کے زمانے میں حارث غسانی شام کا حکمران تھا۔ آپ نے شجاع بن وہب کا نامہ مبارک دے کر حارث کے پاس بھیجا۔ حارث آپ کا نامہ مبارک سن کر برہم ہو گیا۔ اس نے نامہ مبارک کو پھینک دیا اور غصے میں آگ بگولہ ہو کر کہنے لگا کہ کس کی مجال ہے جو میرے ملک کی طرف نظر اٹھائے۔ حضرت شجاع نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حارث عنقریب دیکھ لے گا کہ اس کا ملک ہلاک ہوا۔

۱۰- جن دوسرے لوگوں کو آپ نے خطوط تحریر فرمائے ان میں خالد بن ضمام، ربیعہ بن ذی مرحب، ضغاطر الاسقف، بنو اسد بنو جعیل، اکبر بن عبد القیس، فروہ بن عمرو جذامی، اسجنت بن عبداللہ، یہود مقنا، اسلم خزاعی، عوسجہ بن حرملہ، نہشل بن مالک اور اکیدر شامل ہیں۔

۱۱- غزوہ خیبر: یہ غزوہ جمادی الاولی میں ہوا۔ بعض کے نزدیک محرم میں ہوا۔ مدینے سے آٹھ برد یعنی تقریباً ۹۶ میل کی مسافت پر شام کی جانب ایک شہر کا نام خیبر ہے۔ جہاں یہودی آباد تھے۔ یہ علاقہ نہایت زرخیز تھا۔ یہاں کئی قلعے تھے جن میں سے بعض کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ عرب میں یہودیوں کی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ آپ کے ساتھ چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کا لشکر تھا۔ دس دن محاصرہ رہا۔ صفر کے مہینے میں خیبر فتح ہوا۔

۱۲۔ آپ کو زہر دینے کا واقعہ: اس غزوے میں آپ کو زہر دینے کا واقعہ پیش آیا۔ مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے بکری کا گوشت زہر ملا کر بھونا اور دست میں زیادہ زہر ملایا۔ پھر اس نے وہ گوشت حضرت صفیہ کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو حضرت صفیہ نے بھنی ہوئی بکری آپ کو پیش کی۔ اس وقت آپ کے ہمراہ بشر بن براء بن معرور بھی تھے۔ آپ نے بکری کی دست سے کچھ گوشت لے کر منہ میں رکھ لیا۔ بشر نے بھی کچھ گوشت لے کر منہ میں رکھ لیا۔ آپ نے فوراً تھوک دیا اور بشر سے فرمایا ہاتھ کھینچ لو یہ بکری کہہ رہی ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔

۱۳۔ حضرت جعفر بن ابوطالب کی خیبر آمد: اسی غزوے کے دوران حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت جعفر بن ابوطالب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خیبر پہنچے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ خیبر پہنچے تو رسول ﷺ نے حضرت جعفر کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور آپ نے حضرت جعفر سے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی یا تمھارے آنے سے۔

۱۴۔ غزوہ وادی القریٰ: یہ غزوہ جمادی الاخریٰ میں ہوا۔ وادی القریٰ خیبر اور مدینے کے درمیان شام سے آنے والے حاجیوں کے راستے پر واقع یہودی آبادی تھی۔ غزوہ خیبر سے واپسی پر ان سے مڈبھیڑ ہوئی۔ دوسرے روز سورج ایک نیزہ بھی بلند نہ ہوا تھا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی۔ بہت سا مال بطور غنیمت حاصل ہوا جو لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

۱۵۔ سریہ عمر بن خطاب: یہ سریہ شعبان میں تربہ بھیجا گیا جو مکہ سے دو دن کی مسافت پر ایک وادی ہے جہاں بنو ہوازن کے افراد آباد تھے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ تیس سوار تھے۔ کفار ان کی اطلاع پاتے ہی بھاگ نکلے۔ اس لئے یہاں مقابلہ نہیں ہوا۔

۱۶۔ سریہ ابوبکرؓ صدیق: سو صحابہؓ پر مشتمل یہ سریہ شعبان سن ۷ھ میں، نجد کے علاقے میں بنو کلاب کی

طرف بھیجا گیا۔ یہ حضرت زید بن حارثہ کے سریہ سے پہلے ہوا اور اس میں بہت سے کافر کام آئے اور کچھ گرفتار ہوئے۔

۱۷- سریہ بشیر بن سعد انصاری: شعبان ہی میں بشیر بن سعد انصاری کا سریہ بنو مرہ کی طرف فدک بھیجا گیا۔ ان کے ساتھ تیس سوار تھے۔ سیرت شامیہ کے مطابق یہاں شدید جنگ ہوئی۔ چند اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں مگر سید جمال الدین کی روضۃ الاحباب میں ہے کہ حضرت بشیر کے تمام رفقاء شہید ہو گئے اور وہ خود بھی زخمی حالت میں مدینے واپس آئے۔ ۸ھ میں صحابہؓ کی ایک دوسری جماعت نے ان سے انتقام لیا اور غنیمت حاصل کی۔

۱۸- سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی: یہ سریہ رمضان المبارک میں بنوعوال اور بنوعبد بن ثعلبہ کی طرف میفعہ بھیجا گیا۔ جونجد میں بطن نخل سے کچھ آگے نقرہ کی طرف ایک وادی کا نام ہے اور مدینہ سے ۹۶ میل کی مسافت پر ہے۔ اس لشکر میں ۱۳۰ افراد تھے۔ یہ لوگ اونٹ اور بکریوں کی غنیمت لے کر مدینے واپس آئے۔ اس میں کوئی شخص قید نہیں ہوا۔

۱۹- حضرت اسامہ کا واقعہ: اسی سریہ میں حضرت اسامہ بن زید نے ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے قتل کے وقت لا الہ الا اللہ کہا تھا۔ یہ خبر جب رسول ﷺ کو پہنچی تو آپ نے حضرت اسامہ سے کہ کہ اے اسامہ کیا تو نے اس کو لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کی یارسول ﷺ اس نے قتل سے بچنے کے لئے یہ کلمہ کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے اس کا دل نکال کر دیکھا تھا کہ وہ سچ کہتا تھا یا جھوٹ۔

۲۰- سریہ بشیر بن سعد: یہ سریہ شوال ۷ھ میں یمن اور جبار کی طرف روانہ کی گیا۔ لشکر میں تین سو افراد تھے۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جناب کے نواح میں یمن اور جبار پہنچ گئے۔ یمن اور جبار دو علیحدہ مقامات تھے۔ دونوں خیبر اور وادی القریٰ کے قریب واقع تھے۔ اس سریہ میں بہت سے مویشی غنیمت میں ہاتھ آئے اور دو آدمی گرفتار ہوئے جو بعد میں مسلمان

ہو گئے۔

۲۱- عمرۃ القضاء: حدیبیہ کے سال قریش نے آپ ﷺ کو اور صحابہ کرامؓ کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ کے مقام سے ہی اس معاہدے کے ساتھ آپ کو مدینہ واپس کر دیا تھا کہ آئندہ سال آ کر عمرہ کریں، کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام میں ہو اور تین دن میں واپس چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے ذیقعدہ ۷ھ کا چاند دیکھ کر صحابہ کو اس عمرے کی قضا کے لئے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ جس سے مشرکین نے حدیبیہ میں روکا تھا اور تاکید فرمائی کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی نہ رہ جائے۔ آپ کے ہمراہ دو ہزار صحابہ کی جماعت تھی اور قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے اور صحابہ کرامؓ نے احرام باندھا اور تلبیہ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئے، مکہ پہنچ کر آپ نے اور صحابہؓ نے عمرہ ادا کیا اور تین دن قیام کر کے مدینے روانہ ہو گئے۔

۲۲- سریہ ابن العوجاء: اس کو سریہ اخرم بھی کہتے ہیں۔ اس میں پچاس افراد تھے۔ رسول ﷺ نے ابن ابی العوجاء کو ذی الحجہ میں بنو سلیم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے بنو سلیم کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے یہ کہہ کر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہمیں اسلام کی ضرورت نہیں۔ پھر فریقین میں ایسا شدید مقابلہ ہوا کہ حضرت اخرم کے سوا ان کے تمام رفقاء شہید ہو گئے۔ حضرت اخرم زخمی حالت میں یکم صفر ۸ھ کو مدینے واپس آئے۔

۲۳- خالد بن ولید کا اسلام: ان کے اسلام لانے کے زمانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ غزوہ حدیبیہ کے وقت خالد بن ولید کفار کی فوج میں تھے اور بخاری کی روایت ہے کہ غزوہ موتہ میں جو فتح مکہ سے ۴ مہینے قبل جمادی الاول ۸ھ میں ہوا، یہ اسلامی لشکر میں شامل تھے اور بعد میں انہی کو امیر بنایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہی کے ہاتھ پر فتح دی۔ اس روز ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں تھیں۔ لہذا خالد بن ولید صلح حدیبیہ اور غزوہ موتہ کے درمیانی عرصے میں کسی وقت مسلمان ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں کہ ان کے بعد عثمان بن طلحہ اور عمرو بن العاص

نے آگے بڑھ کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

۲۴۔ حضرت ام حبیبہ سے آپ ﷺ کا نکاح: ان کا نام رملہ اور ام حبیبہ کنیت تھی۔ یہ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا۔ دونوں ابتداء ہی میں مسلمان ہوئے۔ بعد میں عبید اللہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا مگر ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔ جب آپ کو ان کے حالات کا پتہ چلا تو آپ نے نجاشی کے پاس پیغام بھیجا کہ ام حبیبہ کا عقد میرے ساتھ کر دو۔ نجاشی نے حضرت جعفر اور دوسرے صحابہ ؓ کو بلا کر جو اس وقت حبشہ میں تھے۔ ان کے سامنے خطبہ نکاح پڑھا۔ اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر ادا کیا اور ام حبیبہ کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ مدینے بھیج دیا۔ نکاح کے وقت ان کی عمر ۳۷ سال تھی۔ ان کا انتقال ۷۴ سال کی عمر میں ۴۴ھ میں مدینے میں ہوا۔

۲۵۔ حضرت میمونہ کا نکاح: یہ حارث ہلالیہ کی لڑکی تھیں۔ ان کی ماں کا نام ہند تھا۔ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر آپ کی زوجیت میں آئیں اور مقام سرف میں نکاح ہوا۔ ۵۱ھ میں مقام سرف ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی۔ حضرت میمونہ آخری زوجہ ہیں جن سے آپ نے نکاح فرمایا۔ آپ کی ازواج میں سے ان کی وفات سے آخر میں ہوئی۔

۲۶۔ اسی سال بشیر بن ابراء بن معرور، عامر بن الاکوع اور سلمہ بن عمرو بن الاکوع نے وفات پائی۔

آٹھویں ہجری:

۱۔ سریہ غالب بن عبد اللہ اللیثی: چودہ یا اس سے کچھ زیادہ افراد پر مشتمل یہ سریہ صفر کے مہینے میں بنو ملوح کے طرف بھیجا گیا جو کدیہ میں رہتے تھے۔ کدید مکے اور مدینے کے درمیان مکے سے ۴۲ میل پر عسفان اور قدید کے مابین واقع ہے۔ اس سریہ میں مسلمان غالب رہے۔ لڑنے والے مردوں کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور ان کے مویشیوں کو ہانک کر مدینے لے آئے۔

۲۔ سریہ غالب بن عبد اللہ اللیثی: دو سو افراد پر مشتمل یہ سریہ بھی اسی سال صفر میں بنو مصاب کی طرف

بھیجا گیا جو فدک میں آباد تھے۔ اس سریہ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت زبیر بن العوام کو مقرر فرمایا۔ اسی دوران غالب بن عبداللہ سریہ کدید سے کامیاب و کامران واپس پہنچ گئے۔ آپ نے حضرت زبیر بن عوام کو روک دیا اور غالب بن عبداللہ کو ان کی جگہ امیر مقرر فرما کر بشیر کے ساتھیوں کے طرف روانہ فرما دیا۔ طرفین میں سخت مقابلے کے بعد مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ عورتیں اور بچے قید ہوئے۔ کثیر تعداد میں اونٹ بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ غنیمت کا فی کس حصہ دس اونٹ یا اس کے برابر بکریاں تھیں۔ اور دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر سمجھی گئیں۔

۳- سریہ شجاع بن وہب الاسدی: یہ سریہ اسی سال ربیع الاول میں بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو عامر بن ملوح کی طرف بھیجا گیا جو سی میں آباد تھے۔ یہ جگہ مدینے سے پانچ میل پر ذات عرق سے پہلے ہے۔ یہ سریہ ۲۴ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تھے یہاں تک کہ علی الصبح انہوں نے دشمن پر غارت ڈالی۔ بہت سے اونٹ اور بکریاں غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ غنیمت کا فی کس حصہ پندرہ اونٹ تھا اور ایک اونٹ بیس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔

۴- سریہ کعب بن عکیر الغفاری: یہ سریہ بھی ربیع الاول میں ذات اطلاح بھیجا گیا جو وادی القریٰ سے آگے سرزمین شام میں واقع ہے۔ یہ لوگ کل پندرہ آدمی تھے۔ اطلاح پہنچ کر انہوں نے بے شمار لوگوں کو مقابلے کے لئے پایا۔ سو ان لوگوں نے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول نہیں کی۔ پھر دونوں میں شدید قتال ہوا۔ کفار کو غلبہ ہوا اور تمام صحابہؓ شہید ہو گئے۔ صرف ایک صاحب زندہ بچے جنہوں نے مدینے میں آ کر آپ کو اطلاع دی۔

۵- سریہ موتہ: جنگ موتہ جمادی الاولیٰ میں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ اس میں شریک نہیں ہوئے۔ البتہ تین ہزار مسلمانوں نے اس میں حصہ لیا۔ اس کو غزوہ موتہ بھی کہتے ہیں۔ موتہ ملک شام کے کا ایک مشہور شہر ہے جو دمشق سے دو مرحلوں پر اور مدینے سے اٹھائیس مرحلوں پر واقع ہے۔ آپ نے زید

بن حارثہ کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔

دوسری طرف شاہ روم (ہرقل) کی سربراہی میں کفار کا لشکر ڈھائی لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔ حق و باطل کے اس معرکے میں سے پہلے حضرت زید شہید ہوئے، پھر حضرت جعفر اور آخر میں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ پھر مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت خالد بن ولید کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ آپ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کی صفوں کو نئے سرے سے ترتیب دے کر کافروں پر ٹوٹ پڑے۔ اللہ کی نصرت سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور کفار کو عبرتناک شکست ہوئی۔ حضرت خالد دربارِ نبوت سے ''اللہ کی تلوار'' کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اس جنگ میں صرف بارہ صحابہ شہید ہوئے جبکہ کافروں کے اتنے آدمی واصل جہنم ہوئے کہ ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے اور ان اسلحہ اور ساز و سامان مسلمانوں کا مال غنیمت بنا۔

۶۔ سریہ عمرو بن العاص: تین سو مہاجرین و انصار پر مشتمل یہ لشکر جمادی الاخریٰ میں ذات السلاسل بھیجا گیا جہاں قبائل قضاعہ عاملہ، لخم اور جذام سے مقابلہ ہوا۔ معرکہ کے بعد مسلمان سالم و غانم مدینے واپس آئے۔ سلاسل وادی القریٰ سے آگے قبیلہ جذام کے علاقے میں ایک کنوئیں کا نام تھا جو مدینے سے دس دن کی مسافت پر تھا۔

۷۔ سریہ عبیدہ بن الجراح: یہ سریہ رجب میں ہوا اور تین افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لشکر قریش کے ایک قافلے سے تعرض اور بنو جھنیہ کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا جو مدینے سے پانچ دن کی مسافت پر آباد ہے۔ اس کو سریہ سیف البحر اور سریۃ الخبط بھی کہتے ہیں۔ سیف البحر تو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ساحل سمندر کی طرف گیا تھا اور سیف البحر کے معنی ساحل کے ہیں۔ سریۃ الخبط اس لئے کہتے ہیں کہ خبط درخت کے پتوں کو کہتے ہیں جو لاٹھی وغیرہ سے جھاڑے جائیں۔ اس سفر میں صحابہ کرام کا زادِ سفر ختم

ہو گیا اور انہوں نے درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھائے تھے۔ جس سے ان کے جبڑے زخمی ہو گئے تھے۔ پھر اللہ تعالی نے ان کی خوراک کا انتظام فرمایا کہ سمندر نے ایک پہاڑ جیسی عنبر نامی مچھلی کنارے پر پھینک دی۔ یہ تین سو افراد تھے۔ انہوں نے ایک مہینے تک اس مچھلی کو خوب سیر ہو کر کھایا اور اس کے روغن کی مالش کی یہاں تک کہ خوتنومند ہو گئے۔ مچھلی کے باقی ٹکڑے اٹھا کر مدینے لے آئے جن میں سے آپ نے بھی تناول فرمایا۔ اس سریہ میں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

۸۔ سریہ ابوقتادہ بن ربعی الانصاری: ۱۶ آدمیوں پر مشتمل حضرت ابوقتادہ کا یہ سریہ شعبان میں بنومحارب کے مقابلے میں عطفان بھیجا گیا۔ یہ لوگ خضرہ میں آباد تھے جو نجد کے علاقے میں میں بنومحارب کی زمین کا نام ہے۔ اس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کافروں کے بہت سے آدمی قید ہوئے۔ دو سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ ہر آدمی کو ۱۲ اونٹ ملے۔ ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔

۹۔ سریہ ابوقتادہ بن ربعی الانصاری: فتح مکہ کے لئے جانے سے پہلے، رمضان کے شروع میں حضرت ابوقتادہ کا یہ سریہ بطن اضم بھیجا گیا۔ اضم مدینے کی ایک وادی یا ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینے سے ۳۶ میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کے ہمراہ آٹھ آدمی تھے۔ مگر مقابلے کی نوبت نہیں آئی۔

۱۰۔ غزوہ فتح مکہ: یہ غزوہ رمضان المبارک میں ہوا۔ حدیبیہ میں قریش کے ساتھ جو امن کا معاہدہ ہوا تھا اس کے مطابق بنوخزاعہ آپ ﷺ کے حلیف تھے مگر قریش نے ۲۲ مہینے بعد بنوخزاعہ پر فوج کشی کر کے شعبان ۸ھ میں اس معاہدے کو توڑ ڈالا۔ اس لئے آپ نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ کو فتح کر لیا۔ یہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے اسلام کا سر بلند ہوا اور حجاز سے کفر کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۱۔ سریہ سعد بن زید الاشہلی: فتح مکہ کے بعد ۲۴ رمضان کو آپ نے منات بت کو ڈھانے کے لئے بیس سواروں پر مشتمل یہ سریہ مشلل روانہ کیا جو مکہ اور مدینے کے درمیان ایک پہاڑ تھا۔ اسی پہاڑ کی اترائی میں قدید واقع تھا۔ منات اوس وخزرج کا دیوتا تھا۔

۱۲۔ سریہ خالد بن ولید: فتح مکہ کے بعد ۲۵ رمضان کو عزیٰ نامی بت کو منہدم کرنے کے لئے ۳۰ صحابہ کی جماعت کے ساتھ خالد بن ولید کو روانہ فرمایا۔ یہ بت وادی نخلہ میں نصب تھا جو مکہ کی مشرق جانب ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔

۱۳۔ سریہ عمرو بن عاص: یہ سریہ بھی فتح مکہ کے بعد رمضان ہی میں سواع نامی بت توڑنے کے لئے روانہ فرمایا۔ بنوھذیل کا یہ بت قصبہ رہاط میں تھا۔ جو ساحل سمندر پر مکہ سے تین میل دور تھا۔

۱۴۔ سریہ خالد بن ولید: فتح مکہ کے بعد اور غزوہ حنین سے پہلے شوال میں ۳۵۰ مہاجرین وانصار پر مشتمل یہ سریہ بنو جذیمہ کی طرف روانہ فرمایا جو بنو کنانہ کی ایک شاخ تھی۔ یہ لوگ یلملم کی جانب مکہ سے ایک دن کی مسافت پر آباد تھے ان میں سے کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ قید ہوئے۔

۱۵۔ غزوہ حنین: یہ غزوہ فتح مکہ کے بعد شوال میں ہوا۔ حنین مکہ سے مشرقی جانب مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی تھی۔ واقدی کے مطابق حنین مکہ سے تین رات کے فاصلے پر تھا۔ اس کو غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں بنو ہوازن سے مقابلہ ہوا تھا۔ آپ کے ہمراہ ۱۲ ہزار کا لشکر تھا۔ جنگ میں آپ کو فتح ہوئی، چار مسلمان شہید ہوئے اور ستر کافر واصل جہنم ہوئے اور بھاری مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔

۱۶۔ غزوہ طائف: یہ غزوہ شوال کے آخر میں ہوا، طائف مکہ سے مشرقی جانب تقریباً ۹۰ کلومیٹر پر ایک مشہور شہر ہے۔ یہاں انگور اور دوسرے پھل بکثرت ہوتے ہیں۔ یہاں بنو ثقیف آباد تھے۔ آپ نے دس سے زیادہ دن یا بقول بعض چالیس دن محاصرہ کئے رکھا اور منجنیق نصب کی۔ اس سے پہلے غزوے میں منجنیق نصب نہیں کی گئی تھی۔ یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ تقریباً بیس دن کے بعد آپ نے محاصرہ اٹھالیا اور جعرانہ واپس تشریف لے آئے۔ بعد میں ثقیف مسلمان ہو کر وہیں حاضر خدمت ہو گئے۔

۱۷۔ عمرہ جعرانہ: غزوہ طائف کے بعد ذیقعدہ میں آپ نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ ادا

کیا۔

۱۸۔ مکہ فتح کرنے کے بعد جب آپ مدینے واپس تشریف لائے تو عرب کے بہت سے قبائل نے اپنے آدمی آپ کی خدمت میں بھیجے اور اسلام قبول کیا۔ سورہ اذا جاء میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح○ ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا○

جب اللہ کی نصرت اور فتح آ جائے اور آپ لوگوں کو دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھیں۔

۱۹۔ **ثقیف کا وفد:** یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے تبوک سے واپس آنے کے بعد مدینہ پہنچا۔ ان کو مسجد نبوی کے قریب خیمے میں ٹھہرایا گیا۔ جہاں سے یہ لوگ قرآن بھی سنتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھتے تھے۔ پھر یہ لوگ مسلمان ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ ان کے وطن واپس پہنچنے پر پہلے تو اہل ثقیف نے ناراضگی کا اظہار کیا پھر وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

۲۰۔ **عبدالقیس کا وفد:** یہ بحرین کا بہت بڑا قبیلہ تھا، جب یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو خوش آمدید کہا۔ ان کے ساتھ جارود بن العلاء اور کچھ عیسائی بھی آئے تھے۔ جارود نے عرض کیا کہ ہم اس وقت بھی ایک مذہب پر ہیں۔ اگر ہم اسے چھوڑ کر آپ کے مذہب میں داخل ہو جائیں تو کیا آپ ضامن بن سکتے ہیں۔ آپ کی ضمانت پر جارود اور اس کے تمام ساتھی مسلمان ہو گئے۔

۲۱۔ **بنی حنیفہ کا وفد:** اس وفد میں مسلیمہ کذاب بھی تھا جو مدینے پہنچ کر کہنے لگا کہ اگر رسول ﷺ مجھے اپنا قائم مقام مقرر فرمائیں تو میں بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ بیعت نہیں کرے گا تو خدا اسے تباہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا انجام دکھا دیا ہے۔

۲۲۔ **مزینہ کا وفد:** مزینہ ایک قبیلے کا نام ہے۔ اس وفد میں چار سو آدمی تھے۔ یہ سب مسلمان ہو گئے۔

۲۳۔ **تجیب کا وفد:** یمن کے قبیلے کندہ کی ایک شاخ کا نام تجیب ہے۔ وفد میں تیرہ آدمی تھے جو صدقات کا مال لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس مال کو واپس لے جاؤ اور قبیلے کے فقراء

میں تقسیم کردو۔انھوں نے عرض کیا کہ قبیلے کے فقراء کو دینے کے بعد جو کچھ بچ گیا ہے وہی لے کر آئے ہیں۔ چند روز قیام کے بعد جب وہ جانے لگے تو آپ نے ان کو عطیات دے کر رخصت فرمایا۔

۲۴- بنی اسد کا وفد: یہ دس آدمی تھے۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان لوگوں نے شگونوں وغیرہ سے فال لینے اور کہانت اور رمل وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان سب باتوں سے ان کو منع فرمایا۔

۲۵- ذی مرہ کا وفد: اس وفد کا سردار حارث بن عوف تھا اور اس میں تیرہ آدمی تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان لوگوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کی قوم اور عشیرت ہیں ہم لوی بن غالب کی اولاد ہیں ۔آپ یہ سن کر مسکرائے۔ جاتے وقت آپ نے ہر ایک کو دس اوقیہ چاندی دی اور حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی دی۔

۲۶- بنی تمیم کا وفد: اس وفد میں بنی تمیم کے دس آدمی تھے۔ان میں چند رؤسا بھی تھے۔ یہ لوگ اعرابی تھے، آداب رسالت سے واقف نہ تھے۔ مدینے پہنچ کر انہوں نے حجرہ شریفہ کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ کو آواز دی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور یہ آیتیں نازل ہوئیں ''تحقیق جو لوگ حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ نکل کر ان کے پاس جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔'' (حجرات آیات ۴، ۵)

پھر سب اہل وفد مسلمان ہو گئے۔اور آپ نے ان کی ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔

۲۷- حجرت ابراہیمؑ کی پیدائش: حضرت ابراہیم آپ کی آخری اولاد ہیں جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ میں پیدا ہوئے۔انہوں نے سولہ مہینے زندہ رہ کر ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ سترہ اور اٹھارہ کی بھی روایات ہیں۔

۲۸- اسی سال جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ، عبداللہ بن رواحہ نے وفات پائی۔

نویں ہجری:

۱۔ صدقات کی وصولی: عمرۂ جعرانہ کے بعد مدینے پہنچ کر محرم ۹ ھ میں آپ نے اعراب سے صدقات وصول کرنے کے لئے عاملین کا بھیجا۔ چنانچہ عینیہ بن حصن کو بنی تمیم کی طرف، یزید بن حصین کو بنی اسلم وغفار کی طرف، عباد بن بشر کو سلیم ومزینہ کی طرد، عمرو بن العاص کو فزارہ کی طرف، ضحاک بن سفیان کو بنی کلاب کی طرف، بشر بن سفیان کو بنی کعب کی طرف اور ابن اللتبیہ الازدی کو بنی ذبیان کی طرف بھیجا۔

۲۔ کعب بن زہیر کا اسلام: فتح مکہ میں آپ نے جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا تھا ان میں کعب بن زہیر کا نام بھی تھا جو آپ کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ فتح مکہ کے دن یہ اپنے بھائی بجیر بن زہیر کے ساتھ جان بچا کر فرار ہو گئے۔ بعد میں بجیر اسلام لے آئے اور پھر انہوں نے اپنے بھائی کعب کو خط میں لکھا اگر تجھے اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کر۔ جو شخص اور تائب ہو کر آپ کے پاس آتا تو آپ اس کو قتل نہیں کرتے۔ بجیر کے خط کا کعب پر بہت اثر ہوا۔ اس نے اسی وقت آپ کی مدح میں ایک قصید لکھا اور مدینے روانہ ہو گیا۔ مدینے پہنچ کر صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اجنبی بن کر سوال کیا کہ اگر کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے تو کیا آپ اس کو امان دے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ''ہاں'' پھر حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول ﷺ وہ گناہگار میں ہی ہوں۔ اب آپ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایئے۔ پھر کعب نے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جو بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔

۳۔ سریہ عینیہ حصن الفزاری: عرب کے پچاس شہسواروں کا یہ دستہ جن میں کوئی مہاجر یا انصاری شامل نہیں تھا۔ محرم میں بنوتمیم کی جانب روانہ فرمایا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان فرع کے مضافات میں سقیا نامی قصبہ میں رہائش پذیر تھے۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے تھے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ مقابلے کے بعد کفار کے گیارہ مرد، گیارہ یا اکیس عورتیں اور تیس بچے قید ہوئے۔

۴۔ سریہ قطبہ بن عامر انصاری: ۲۰ افراد پر مشتمل یہ سریہ ماہ صفر میں بنو خشعم کی طرف روانہ فرمایا جو یمن میں تبالہ کے قریب بیشہ کے علاقے میں آباد تھے۔ فریقین میں شدید قتال ہوا۔ آخر مسلمانون کو غلبہ حاصل ہوا اور وہ کافروں کے اونٹ بکریوں اور عورتوں کو غنیمت بنا کر مدینے کے آئے۔ خمس نکالنے کے بعد چار چار اونٹ ہر ایک کے حصے میں آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔

۵۔ بلیّہ کا وفد: یہ وفد ربیع الاول ۹ ہجری میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوا۔ یہ لوگ تین روز ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ چلتے وقت آپ نے ان کو زادِ راہ عطا فرمایا۔

۶۔ سریہ ضحاک بن سفیان کلابی: اس کو سریہ بنی کلاب بھی کہتے ہیں۔ یہ ربیع الاول میں بنو کلاب کے قبیلے قرطاء کی جانب روانہ فرمایا۔ حضرت ضحاک نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہیں کی۔ پھر دونوں میں قتال ہوا اور کفار کو شکست ہوئی۔

۷۔ سریہ علقمہ بن مجزز مدلجی: تین سو افراد پر مشتمل یہ سریہ ربیع الآخر میں جدہ کے ساحل کی جانب روانہ فرمایا جہاں حبشہ کے کچھ لوگ آ کر جمع ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اسلامی لشکر کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

۸۔ سریہ حضرت علی بن ابی طالب: ربیع الآخر ہی میں ''فلس'' نامی بت کو جو قبیلہ طئی کا بت تھا، منہدم کرنے کے لئے ڈیڑھ سو یا دو سو سواروں کی معیت میں حضرت علی کو قبیلہ بنو طئی کی جانب روانہ فرمایا۔ بت کو منہدم کرنے کے بعد اونٹ، بکریاں، قیدی اور دیگر سامان، غنیمت میں ہاتھ آیا۔

۹۔ حاتم طائی کی بیٹی سفانہ کی درخواست: قیدیوں میں حاتم طائی کی صاحبزادی اور عدی بن حاتم کی ہمشیرہ سفانہ بھی تھیں۔ سفانہ اسلام لے آئیں اور آپ سے قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی جن کی تعداد نو سو تھی۔ آپ نے ان کی درخواست پر تمام قیدیوں کو بلا معاوضہ رہا کر دیا۔

۱۰۔ غزوہ تبوک: یہ غزوہ رجب میں ہوا۔ اس کو غزوۃ العسرۃ، ساعۃ العسرۃ اور الفاضحہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے آخری غزوہ ہے جس میں آپ بنفسِ نفیس شریک ہوئے۔

تبوک شام کی جانب مدینے سے چودہ مرحلے اور دمشق سے گیارہ مرحلے پر ہے۔ یہ غزوہ نہایت تنگی

کے زمانے میں ہوا۔ موسم سخت گرم، خشک سالی اور قحط تھا۔ کھجور کا پھل پک کر تیار تھا، زاد راہ کی قلت، سواریوں کی کمی، طویل مسافت، دشمن کی قوت و کثرت تھی اور تبوک شام کے ایسے صحراء میں واقع تھا جہاں نہ درخت تھے، نہ سایہ نہ پانی۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے سفر نہایت تکلیف دہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہمت عطا فرمائی اور جو لوگ سفر کر سکتے تھے وہ سب آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ سوائے منافقوں اور تین آدمیوں کے۔ البتہ سات آدمی ایسے تھے جو سفری وسائل سے محرومی کے باعث آپ کے ہمراہ نہ جا سکے۔ اس غزوے میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔

آپ نے تبوک میں تیس روز قیام فرمایا مگر کوئی مقابلے پر نہیں آیا۔ دشمن مرعوب ہو گیا اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ تبوک سے واپسی اسی سال شعبان یا رمضان میں ہوئی۔

۱۱۔ سریہ خالد بن ولید: جب آپ ﷺ تبوک میں تشریف فرما تھے تو حضرت خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ہمراہ کیدر بن اکدر بن عبدالملک نصرانی کی جانب روانہ فرمایا۔ جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا گورنر تھا۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹوں، آٹھ سو سواروں، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح کی پیش کش کی جو قبول کر لی گئی۔ صحیح قول کے مطابق اکیدر کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

۱۲۔ مسجد ضرار کا واقعہ: ابو عامر نے انصار کے ایک گروہ سے کہا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور جس قدر ممکن ہو سکے اس میں اسلحہ جمع کر لو۔ میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔ پھر جب وہ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم ان لوگوں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے جو کسی بیماری یا بارش یا سخت سردی کی وجہ سے مسجد نبوی ﷺ میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آ کر نماز پڑھیں۔ اور برکت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں سفر پر تبوک جا رہا ہوں۔ اگر اللہ نے چاہا تو واپسی پر تمہارے ساتھ نماز پڑھوں گا۔ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو آپ نے مدینے کے قریب مقام ذی اوان پر قیام

فرمایا۔ اسی مقام پر قیام کے دوران آپ کو اللہ تعالی کی طرف سے اس مسجد کی حقیقت کے بارے میں علم ہوا۔ چنانچہ آپ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدی کو بلا کر حکم دیا کہ اس مسجد میں جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں، اس کو منہدم کر دو اور جلا ڈالو۔ سو انہوں نے جا کر مسجد کو جلا ڈالا اور منہدم کر دیا۔

۱۳۔ حضرت ام کلثوم کی وفات: اسی سال شعبان ۹ ہجری میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے وفات پائی۔

۱۴۔ سریہ طفیل بن عمرو الدوسی: یہ سریہ رمضان اور شوال کے درمیانی عرصے میں بنو دوس کے بت ذو الکفین کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ جو لکڑی سے بنا ہوا تھا۔

۱۵۔ بنی فزارہ کا وفد: دس پندرہ افراد پر مشتمل یہ وفد بھی تبوک سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ اسلام قبول کر کے اور آپ کی دعائیں لے کر واپس ہوئے۔

۱۶۔ حضرت ابو بکرؓ کا حج: اکثر سیرت نگاروں کے نزدیک حضرت ابو بکرؓ نے ماہ ذی الحجہ ۹ ھ میں حج کیا کیونکہ تبوک سے واپسی پر آپ نے رمضان، شوال، ذیعقدہ کے مہینوں میں مدینے میں قیام فرمایا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر مکے بھیجا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ تین سو آدمی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ دس بندے روانہ فرمائے جن کی تقلید اور اشعار آپ نے اپنے دست مبارک سے کی تھی۔ مکہ پہنچ کر حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا، خطبہ پڑھا اور مناسک حج کی تعلیم دی۔

۱۷۔ سورۂ برات کا نزول: حضرت ابو بکرؓ کے روانہ ہونے کے بعد عہد توڑنے کے بارے میں سورۂ برات کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور آپ نے حضرت علیؓ کو اپنی قصوا نامی اونٹنی پر مکہ روانہ فرمایا تا کہ وہ سورۂ برات کو کفار کے سامنے پڑھیں۔ چنانچہ حضرت علی نے یوم النحر میں آپ کی ہدایت کے مطابق جس کے ساتھ عہد تھا اس کا عہد واپس کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ اے لوگو! کوئی کافر جنت میں نہیں جائے گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا ہو کی بیت اللہ کا طواف

کرے اور جس کا عہد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقررہ مدت کے لئے ہے وہ عہد باقی رہے گا اور اگر مدت متعین نہیں ہے تو اس کی مدت چار ماہ ہوگی۔

۱۸- سریہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ: اسی سال کے آخر میں ''لات'' نامی بت کو منہدم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ سریہ طائف روانہ فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے جا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور سونا، چاندی، زیور کپڑے وغیرہ جو کچھ ہاتھ آیا وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اسی دن تمام مال لوگوں میں تقسیم فرما دیا۔

دسویں ہجری:

۱- سریہ خالد بن ولید: یہ سریہ ربیع الاول میں بنو عبدالمدان کی جانب دعوت اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ قبیلہ بنو حارث بن کعب کی ایک شاخ تھا اور یمن میں آباد تھا۔ حضرت خالد نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور حضرت خالدؓ نے ان کو امن دے دیا۔

۲- خولان کا وفد: یہ وفد شعبان دس ہجری میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں دس آدمی تھے۔ یہ لوگ جب اسلام کی تعلیم حاصل کر کے جانے لگے تو آپ نے ان کو زادراہ دیا۔

۳- کندہ کا وفد: کندہ یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ اس وفد میں اسی آدمی تھے۔ یہ دس ہجری میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ سب اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔

۴- غامد کا وفد: غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ دس آدمیوں پر مشتمل اس قبیلے کا ایک وفد دس ہجری میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان کو ایک تحریر دی جس میں احکام شریعت کی تعلیم تھی۔ پھر دوسرے وفود کی طرح آپ نے ان کو زادراہ دے کر رخصت فرمایا۔

۵- سریہ علی بن ابی طالب: اسی سال رمضان مین تین سو سواروں کے ہمراہ حضرت علیؓ کو دوبارہ یمن بھیجا گیا۔ حضرت علیؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہیں کی۔ پھر قتال ہوا۔ ان کے

بیس آدمی مارے گئے اور باقی شکست کھا کر منتشر ہوگئے۔ بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت علیؓ نے دوبارہ ان کو دووعوت اسلام دی تو انہوں نے فوراً قبول کر لی۔

۶۔ حج کی فرضیت: یہ دس ہجری میں فرض ہوا۔

۷۔ حجۃ الوداع: آنحضرت ﷺ نے دس ہجری میں جو حج کیا تھا وہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس کے بعد آپ نے وفات پائی اور یہ آپ کا آخری حج تھا۔ اس کو حجۃ الوداع اور حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔

۸۔ آپ کے حجوں کے تعداد: ہجرت کے بعد آپ نے صرف ایک حج کیا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے ہجرت سے پہلے آپ نے کتنے حج کئے۔ بعض کہتے ہیں کہ دو حج کئے اور بعض تین کا ذکر کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک آپ ہر سال حج کیا کرتے تھے۔

۹۔ آپ کے عمروں کی تعداد: آپ نے چار عمرے کئے، پہلا عمرہ حدیبیہ کا ہے جب مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ نہ کرنے دیا اس موقع پر آپ نے قربانی کی، حلق کرایا اور احرام سے باہر آگئے۔ دوسرا عمرۃ القضاء ہے، تیسرا عمرہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے اور چوتھا عمرہ جعرانہ کا ہے جو حنین سے واپسی پر ادا کیا۔

۱۰۔ محارب: یہ وفد حجۃ الوداع کے سال آیا۔ عربوں میں یہ لوگ بڑے شدید بد اخلاق تھے۔ وفد میں دس آدمی تھے یہ اپنی قوم کی طرف سے وکیل بن کر آئے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور چند روز آپ کی خدمت میں رہ کر واپس چلے گئے۔

گیارھویں ہجری:

۱۔ سریہ اسامہ بن زید: صفر کے آخر میں حضرت اسامہؓ کو ابنی کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ آپ کا آخری سریہ تھا، اُبنی شام کے علاقے میں بلقاء کی جانب سرزمین شراۃ کی ایک جگہ ہے۔ یکم ربیع الاول نے

اپنے دستِ مبارک سے حضرت اسامہ کے لئے جھنڈا تیار فرمایا اور انہیں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ جیسے اکابر مہاجرین وانصار کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا، لشکر نے مقام جرف میں جو جبل احد کے پیچھے ہے قیام کیا۔ جب ان لوگوں کو آپ کے مرض کی شدت کا پتہ چلا تو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو عبیدہؓ اور کچھ دوسرے لوگ مدینہ واپس آ گئے ۔۱۲ ربیع الاول کو حضرت اسامہؓ جہاد کے لئے جرف سے روانہ ہونے والے تھے کہ اچانک آپ ﷺ کی رحلت کی اطلاع آ گئی ۔اس لئے سب لوگ مدینے سے واپس آ گئے ۔انا اللہ وانا الیہ راجعون

۲۔ نخع کا وفد: یہ بھی یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ اس کا وفد نصف محرم گیارہ ہجری میں آ گیا۔ یہ سب سے آخری وفد تھا۔ اس میں دو سو آدمی تھے جو حضرت معاذ بن جبل کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آئے تھے۔

۳۔ مرض وفات: حجۃ الوداع سے واپس آ کر تقریباً تین مہینے آپ ﷺ نے مدینے میں قیام فرمایا۔ پھر صفر کی آخری راتوں میں یا ربیع الاول کی پہلی یا دوسری تاریخ کو آپ ﷺ کے مرض کی ابتداء ہوئی ۔ابتداء میں آپ ﷺ کو سر میں شدید درد کی شکایت ہوئی۔ پھر آپ کو تیز بخار ہو گیا۔ مرض کی ابتداء حضرت میمونہؓ کے گھر ہوئی۔ اس کے بعد آپ ان کے پاس سات روز تک مقیم رہے۔ جب مرض زیادہ شدید ہو گیا تو تمام ازواج مطہرات نے بیماری کے ایام حضرت عائشہؓ کے مکان پر گزارنے کو اختیار کر لیا۔

۴۔ حضرت ابو بکرؓ کی امامت: جب تک طاقت رہی آپ ﷺ مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھاتے رہے۔ تسلسل کے اعتبار سے آپ نے جو آخری نماز پڑھائی وہ جمعرات کے روز مغرب کی نماز تھی۔ اس کے چار روز بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ جمعرات ہی کے روز عشاء کے وقت مرض میں شدت آ گئی تھی ۔لوگ دیر تک انتظار کرتے رہے۔ آخر آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے ابو بکرؓ کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی۔

۵- آپ کا آخری کلام: پہلے آپ نے خوب اچھی طرح مسواک کی پھر آپ نے اپنا ہاتھ یا انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا فی الرفیق الاعلی، اس وقت جسم اطہر سے روح انور پرواز کرگئی۔

۶- یوم وصال: پیر کے دن دو پہر سے پہلے آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

۷- تاریخ وفات: یہ جاں گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے نبوت ورسالت کے فیوض برکات اور وحی ربانی کے انوار وتجلیات کی آمد کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کردیا، مشہور قول مطابق ۱۲ ربیع الاول کے روز دو پہر کے وقت پیش آیا۔

حضور اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کے مذکورہ بالا اہم واقعات مجلہ السیرۃ العالمی نومبر ۲۰۰۰ء کے ساتھ ساتھ حسبِ ذیل اہم کتبِ سیرت سے لئے گئے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ ابن اسحاق، محمد۔ کتاب السیر والمغازی (تحقیق الدکتور سہیل ذکار) بیروت، دار الفکر، ۱۹۷۸ء

۲۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبری۔ بیروت، دار صادر، ۱۹۵۷ء

۳۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ

۴۔ جامی، عبدالرحمٰن۔ شواهد النبوۃ۔ ممبئی، فتح الکریم پریس، ۱۳۰۲ھ

۵۔ الشیخ ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی۔ ''کتاب المغازی''۔ کلکتہ، مطبع ثمر ہند، ۱۸۵۵ء

۶۔ الشیخ فتح الدین ابوالفتح محمد بن ابن سید الناس۔ ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر''۔ مصر، مطبعۃ القدسی، ۱۳۵۶ھ

۷۔ صفی الرحمٰن المبارکفوری۔ الرحیق المختوم۔ الریاض، دارالسلام،۱۹۹۲ء

۸۔ طبری۔ ابی جعفر محمد بن جریر۔ تاریخ الامم والملوک۔ قاہرہ، مطبوعۃ الاستقامہ،۱۹۳۹ء

۹۔ عبدالحق محدث دہلوی۔ مدارج النبوۃ۔ لکھنو، نولکشور،۱۹۵۴ء

۱۰۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب۔ تاریخ الیعقوبی۔ بیروت، دارصادر، بلاسن طباعت

۱۱۔ الحافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی۔ ''دلائل النبوۃ''۔ حیدرآباد دکن، دائرہ المعارف، ۱۳۲۰ھ

۱۲۔ الامام ابوالفدا اسمٰعیل بن کثیر الدمشقی۔ ''السیرۃ النبویۃ ﷺ''۔ مصر، مطبعۃ عیسیٰ البابی،۱۳۸۴ھ

۱۳۔ الامام المحدث ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی۔ ''الروض الانف فی تفسیر ما اشتمل علیہ السیرۃ النبویۃ۔ مصر، مطبعۃ الجمالیہ،۱۳۳۲ھ

۱۴۔ الدکتور، زکی مبارک۔ ''المدائح النبویۃ فی الادب العربی''۔ مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۴ھ

۱۵۔ العلامۃ احمد بن یحیٰی المعروف بالبلاذری۔ ''انساب الاشرف''۔ مصر، دارالمعارف،۱۹۵۹ء

۱۶۔ العلامۃ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی۔ ''الخصائص الکبریٰ''۔ حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف،۱۳۱۹ھ

۱۷۔ العلامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن بکر، ابن القیم۔ ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد''۔ مصر، مطبعۃ محمد علی،۱۳۵۳ھ

۱۸۔ العلامۃ علی بن برھان الدین الحلبی۔ السیرۃ الحلبیۃ۔ انسان الحیوان سیرۃ الامین و المامون) مصر مصطفیٰ البابی،۱۳۳۹ھ

ضمیمہ ۲

خطبۂ حجۃ الوداع۔۔۔۔اصلاح معاشرہ کے لیے اہم بنیاد

تاریخی اعتبار سے حجۃ الوداع کا واقعہ آج سے 1415 برس پہلے ذی الحجہ ۱۰ ھ/ مارچ ۶۳۲ ء میں اس وقت پیش آیا جبکہ سید الانبیاء والمرسلین، رحمۃ للعالمین اتمام دعوتِ حق اور اکمال تبلیغِ دین کی منزل پر مکہ معظمہ میں جلوہ افروز ہوئے اور اپنا پہلا اور آخری حج ادا فرمایا۔ جسے حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ (۱)، حجۃ الاسلام (۲) اور حجۃ التمام (۳) بھی کہتے ہیں (۴)۔

یہ واقعہ نہ صرف یہ کہ اسلامی تاریخ و سیرت کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے بلکہ تاریخ عالم کے حوالہ سے بھی اس کا شمار ان نمایاں ترین واقعات میں کرنا چاہئے جن کا بعد کی عالمی تاریخ پر بہت گہرا اثر پڑا۔

حجۃ الوداع کا واقعہ بجائے خود متعدد واقعات کا مجموعہ ہے اور اس کا ہر واقعہ اور ہر واقعے کا ہر جز، علمی اور عملی دونوں اعتبار سے اہم اور قابل ذکر ہے۔ (مثلاً حجۃ الوداع کے لئے اعلانِ عام، حضور ﷺ کی ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ/ ۲۲ فروری ۶۳۲ء بروز ہفتہ، ہفتہ/ یوم السبت کو مدینہ طیبہ سے روانگی، ایک ہفتے سے زائد تقریباً ۹ دن کا مقدس سفر، راستہ، منزلیں، مکہ معظمہ میں ورود، اور پھر مناسک حج کی تعلیم و ادائیگی کے دوران عرفات و منیٰ کے خطبات وغیرہ)۔ تاہم حجۃ الوداع کے پورے واقعے میں ہمارے نزدیک اس کا نقطۂ کمال وہ ''خطبۂ عظیم'' ہے جسے اس حج کے

دوران وادیٔ عرفات میں جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ/ ۷ مارچ ۶۳۲ء کو ہادیٔ اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں لاکھوں کے مجمع میں ارشاد فرمایا۔

مجملاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ خطبۂ حجۃ الوداع نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی تمام تر مبلغانہ مساعی کا ماحصل، مسلمانوں کے لئے آخری پیغمبرانہ وصیت، اور تکمیل دین کا اعلان عام تھا بلکہ عصر حاضر کے حوالہ سے دراصل یہی خطبہ س صلاح معاشرہ کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتا ہے جس کے ذریعہ چار دانگ عالم کو امن و عافیت، تہذیب و معاشرت صلح و آشتی کے ساتھ ساتھ حقوق آدمیت وانسانیت سے بھی سرفراز کیا جا سکتا ہے۔

اس اہم ترین خطبہ کا مطالعہ حسب ذیل آیات کے تناظر میں کیا جانا چاہیے۔

''وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی علمه شدیدالقوی''۔(۵)

ترجمہ: محمد ﷺ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتے۔ آپ جو کچھ سناتے ہیں یہ تو وحی ہے اج ان کے پاس بھیجی گئی ہے اور کامل طاقتوں والے نے انہیں سکھائی۔

''الذی جاء بالصدق''۔(۶)

ترجمہ: آپ ﷺ وہ ہیں جو ساری سچائی لے کر آئے ہیں۔

''یعلمھم الکتب والحکمة''۔(۷)

ترجمہ: آپ ﷺ انہیں شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی کی وحی کے مطابق گفتگو فرمانے والے رسول ﷺ اور ساری سچائی، حکمت اور شریعت کے حامل معلم ﷺ کا یہ خطبہ بلاشبہ قیامت تک کے۔لئے تمام بنی نوع انسان کے لئے اور تمام ملکوں اور تمام قوموں کے لئے انسانی حقوق کا عالمی منشور اور دائمی پیغام نجات ہے۔ اگرچہ قومی استحکام کے لئے مادی ترقی اور ذرائع و وسائل کی ضمانت ضروری ہوتی ہے لیکن ایمان وتقوی جیسے اعلی کردار کی عدم موجودگی میں مادی ذرائع و وسائل نے سود ثابت ہوتے ہیں۔ اعلی کردار کی بنیاد صحیح

عقیدہ پر ہوتی ہے اور صحیح عقیدہ کے بغیر زندگی کی اقدار قائم نہیں ہو سکتیں۔

یہ خطبہ انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصول شریعت کا وہ جامع ضابطہ ہے جس پر چل کر دکھی دنیا اپنے سارے دکھوں کا مداوا کر سکتی ہے۔ یہ خطبہ متوازن اور مربوط معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کے وہ بنیادی اصول اور ضابطے فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر پاکستانی قوم ہی نہیں تمام اقوام عالم خوشی، خوشحالی، طمانیت اور امن استحکام سے ہمکنار ہو سکتی ہیں۔

اس خطبہ میں وہ اعلیٰ اور ارفع اقدار بیان کی گئی ہیں جن کے بغیر نہ افراد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں، نہ کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے اور نہ کوئی تہذیب پروان چڑھ سکتی ہے۔ رسول ﷺ نے حج کے دن عرفات کی شرقی سمت نمرہ کے قریب جہاں آپ ﷺ کے لئے پہلے سے خیمہ نصب تھا، آرام فرمایا۔ سورج ڈھلنے کے بعد آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر میدان عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور سواری ہی پر بیٹھے ہوئے باآواز بلند خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں دین کی اہم باتیں بیان فرمائیں جو آج بھی کسی معاشرے کی اصلاح کے لئے بنیادی اصول اور ضابطے کا کام دے سکتی ہیں۔

خطبہ کی مزید اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہر جملہ کے بعد وقفہ فرماتے اور اس لمحہ جناب ربیعہؓ بن امیہ بن خلف انہی الفاظ کو بلند آواز سے دہراتے۔

خطبہ کے اہم نکات کی وضاحت:

(۱) رب العالمین کی حمد وثناء:۔

آپ ﷺ نے خطبے کی ابتداء اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے اس طرح فرمائی:

''لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک و لہ
الحمد یحیی و یمیت و ھو علیٰ کل شی ء قدیر۔
لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ و نصر عبدہ ھزم

الاحزاب وحدہ۔''

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا
کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ اسی کی تعریف ہے،
وہی زندہ کرتا ہے۔ وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا
ہے۔

اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اسی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کی شکست دی۔

(۲) وحدت انسانی کی تعلیم:۔

اے لوگو! جو کچھ میں کہوں اسے غور سے سنو۔ شائد آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔

اے لوگو! اللہ کا ارشاد ہے کہ:

''انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا، تا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت و کرامت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔''

اے لوگو! غور سے سن لو کہ:

تمہارا رب بھی ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے۔ یاد رکھو! نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی برتری حاصل ہے نہ کسی عرب کو عجمی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔

(۳) معیار فضیلت:۔

ہاں! فضیلت اور بزرگی کا کوئی معیار ہے تو وہ تقوی ہے۔ انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے ہیں۔

اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے، سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علی حالہ باقی رہیں گی۔

(۴) آباءواجداد کے باطل کارنامے:۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ور سامان آخرت دوسرے لوگ لے کر پہنچیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو اللہ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

لوگو! اللہ نے تمہارے جھوٹے غرور کو ختم کر ڈالا اوباپ دادا کے کارناموں پر تمھارے فخر کرنے اور شیخی بگھارنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۵) انسانیت کی بقاءاوراس کی ضمانت:۔

لوگو! تمھارے خون، اموال اور عزت و آبرو اسی طرح باحرمت ہیں۔ جس طرح آج کا دن اور یہ مہینہ تمارے لئے باحرمت ہے۔

(۶) دورِ جاہلیت کی رسومِ بد کا خاتمہ:۔

لوگو! دور جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے مقتولین کا قصاص و دیت دونوں کالعدم قرار دی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے میں خود بنو ہاشم کے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے فرزند کا بدلہ اور دیت معاف کرنے کا دعوہ کرتا ہوں۔

(۷) سود کا خاتمہ:۔

آج سے ہر قسم کا سوم ختم کیا جاتا ہے۔ راس المال کے سوا نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو، نہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے گا۔ اللہ ہی نے سود کو ممنوع فرما دیا ہے۔

عباس بن عبد المطلب کا جو سود دوسروں کے ذمے ہے واجب الادا ہے، اس موقوف کیا جاتا ہے۔
آج سے ان کے سارے سودی مطالبے ختم ہیں۔

(۸) جواب دہی کا تصور:۔

بلا شبہ عنقریب تم سب اللہ کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ فرمائے گا اور میں نے اس کا پیغام پہنچا دیا ہے۔

(۹) باہمی جنگ و جدال کی مخالفت:۔

دیکھو! کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ہی کشت و خون کرنے لگو۔

(۱۰) رشتہ اخوت:۔

اے لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(۱۱) ذاتی مال کا تحفظ:۔

کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں ہے۔ الاّ یہ کہ وہ خود اسے اپنی مرضی سے دے دے۔ پس اپنے اوپر اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔
عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

(۱۲) امانت کی واپسی:۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کا امانت پہنچا دے۔

(۱۳) غلاموں سے حسن سلوک:۔

اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ ان سے اچھا سلوک کرو انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ویسا ہی پہناؤ

جیسا کہ تم خود پہنتے ہو۔

(آج یہ اصول ملازمین کے لئے کارگر ہوگا۔)

(۱۴) جرم ایک ذاتی فعل ہے

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اب نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔ اور نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا۔

(۱۵) اللہ کی طرف سے ورثاء کا تعین:۔

لوگو! اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا ہے۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لئے وصیت نہ کرے۔

(۱۶) باہمی لین دین اور اس کے اصول:۔

قرض قابل ادائیگی ہے۔ مانگی ہوئی چیز واپس کرنی چاہئے۔ تحفہ کا بدلہ دینا چاہئے اور کوئی کسی کا ضامن بنے تو وہ تاوان ادا کرے۔

(۱۷) بدکاری کی سزا:۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو جائے اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب کتاب اللہ کے ہاں ہوگا۔

(۱۸) نسب پر قائم رہنے کی ہدایت:۔

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا، یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا اس پر اللہ کی لعنت۔

(۱۹) حقوق زوجین:۔

اے لوگو! تمہاری عورتوں کے تمہارے اوپر کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح تمہارے حقوق تمہاری عورتوں پر ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ وہ تم سے وفا کریں۔ کسی عورت کے لئے غیر مرد کو اپنے قریب کرنے کا حق نہیں۔ عورتوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے مطلقاً کنارہ کش رہنا چاہئیے۔ اگر ان سے یہ قصور ہو جائے تو ان کے شوہر انہیں بدنی سزا دے سکتے ہیں جو ضرب شدید کی حد کو نہ پہنچے۔

عورتوں کو حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو کیوں کہ وہ تمہارے نکاح میں آ جانے سے تمہاری پابند ہو جاتی ہیں اور اپنے نفس کی مالک نہیں رہتیں۔ ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ تم نے انہیں اللہ کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔

(۲۰) اطاعتِ امیر:۔

اے لوگو! تم نکٹے حبشی غلام کی بھی اطاعت کرو۔ اگر اس کو تمہارا امیر بنایا گیا ہو بشرطیکہ وہ تم میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔

(۲۱) قرآن سرچشمہ ہدایت ہے

اے لوگو! میری بات کو گرہ میں باندھ لو۔ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا تا ہوں کہ اگر اس پر قائم رہو گے اور اس کی رہنمائی میں چلو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ سرچشمہ ہدایت اللہ کی کتاب ہے۔ اور ہاں دیکھو! دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔

(۲۲) شیطان کی مایوسی:۔

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اب اس شہر میں اس کی عبادت کی جائے گی۔ لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور

وہ اسی پر راضی ہے۔اس لئے تم اس سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرنا۔

(۲۳) نبی کامل اور امت کاملہ:۔

لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی ہے اور نہ کوئی جدید امت ہونے والی ہے۔خوب سن لو کہ اپنے رب کی عبادت کرو۔

(۲۴) حصول جنت کی راہ نما اصول:۔

۱۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔

۲۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔

۳۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔

۴۔ اپنے رب کے گھر کا حج کرو۔

۵۔ اپنے اہل امر کی اطاعت کرو۔

اگر یہ کروگے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(۲۵) تبلیغ دین ایک فریضہ ہے:۔

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

(۲۶) فریضہ رسالت کی ادائیگی:۔

لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ:۔

ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے امانت یعنی فریضہ رسالت کی پوری طرح

ادائیگی کر دی ہے اور آپ ﷺ نے رسالت کا حق ادا کر دیا ہے اور آپ ﷺ نے ہمیں کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔

یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو گواہ رہنا (۸)

(۲۷) تکمیل دین کی خوشخبری:۔

حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد قصواء (آپ ﷺ کی سواری کی اونٹنی) سے اتر کر زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد ظہر و عصر دونوں وقت کی نمازیں اکٹھی میدان عرفات میں ادا فرمائیں۔ پھر اونٹنی پر سوار ہوئے اور مقام صخرات میں نزول اجلال فرمایا جہاں تکمیل دین کی یہ آیت نازل ہوئی۔

''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔''(۹)

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

خطبہ حجتہ الوداع (۱۰) کی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو آپ کے اسوہ حسنہ کے مطابق ترتیب دیں اور یہ ترتیب و نظم نہ صرف ہماری انفرادی زندگی میں نمایاں ہو بلکہ ہماری اجتماعی زندگی بھی اس کے ثمرات سے پوری طرح مستفیض ہو۔ اگر ہم اسوہ حسنہ کو اپنے میں کامیاب ہوتے ہیں (جس کا سارا دار و مدار ہماری نیت اور پرخلوص عمل پر ہے) تو ہم دنیا کے سامنے اپنے آپ کو ایک مثالی مسلمان کی حیثیت سے پیش کر سکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہم انسانیت کے اس اولین منشور کی روشنی میں مختلف نکات پر عمل کرتے ہوئے اپنے وطن عزیز کو ایک اسلامی فلاحی ریاست کے سانچے میں ڈھال سکیں تا کہ ہماری معاشی و معاشرتی زندگی اسوہ رسول ﷺ پر عمل کرنے سے

خیر و برکت سے معمور ہو جائے۔

نتیجہ:۔

ان تمام نکات کا تحقیقی و تجزیاتی جائزہ لیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے فرمودات کی روشنی میں جو بیان کئے گئے ہیں انہیں علمی طور پر اپنا کر کوئی بھی معاشرہ خصوصاً علم معاشرہ اپنی مکمل اصلاح کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے یہ خطبات Charter for Human Being کے طور پر پوری انسانیت کی فلاح کے لئے کافی ہیں۔

حوالہ جات:

اس ضمیمہ کے مندرجات جس ذیل اہم کتب سیرت سے ترتیب دیئے گئے ہیں:

۱۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۳۶ء، ص ۲۵۳، ج چہارم

۲۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ دار صادر، بیروت ۱۹۵۷ء۔ ج ۲/۳/۱۷۔

۳۔ طبری۔ ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک۔ مطبعۃ الاستقامۃ۔ قاہرہ ۱۹۳۹ء۔ ج ۲/ ۴۳۹

۴۔ حجۃ الوداع اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر گویا مسلمانوں کو وداع (خدا حافظ) کہا حجۃ البلاغ اس لئے کہ وہ خطبہ ابلاغ و تبلیغ کا نقطۂ کمال تھا جو اس حج کے دوران آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نیز خطبۂ مبارکہ کے دوران بار بار "الا ھل بلغتُ؟" کے استفسار نبوت کے جواب میں حاضرین ومخاطبین کا جواب "نعم" ہوتا تھا۔ اور بالآخر ان کی یہ گواہی کہ قد ادیتَ و بلّغتَ (ہاں بیشک آپ ﷺ نے فرض رسالت ادا فرما دیا اور پیغام حق بتمام وکمال سب تک پہنچا دیا) حد ابلاغ کی انتہا ٹھہری۔ حجۃ الاسلام اس لئے کہ خطبۂ حجۃ الوداع اسلام کی

تمام تعلیمات کا خلاصہ تھا۔ نیز حج کو اسلام کے ایک رکن اور فرض کی حیثیت سے آپ ﷺ عملاً ادا فرما رہے تھے، اور حجۃ الکمال والتمام اس لئے کہ آپ ﷺ کا مقدس مشن اسی مرحلہ پر اتمام و اکمال کو پہنچا اور سورۂ مائدہ کی وہ آیت (۳) اسی موقع پر نازل ہوئی جس میں اتمام نعمت اور رضائے خداوندی کی نوید سنائی گئی۔

۔شرح مواہب۔مصر، المطبعۃ الازہریۃ۔ ۱۳۲۹ھ ج ۳، ص ۱۰۴ تا ۱۰۶

۵۔القرآن، ۵۳:۳ تا ۵

۶۔ایضاً، ۳۳:۳۹

۷۔ایضاً، ۳:۱۶۴

۸۔ایضاً، ۴۹:۱۳

۹۔ایضاً، ۵:۳

۱۰۔حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے مختلف مقامات پر جو جو ارشادات فرمائے وہ سب خطبہ کا حصہ ہیں۔ احادیث اور کتب سیرت میں ان ارشادات کو مختلف انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ میں نے مذکورہ نکات حسب ذیل کتب کو سامنے رکھ کر ترتیب دیے ہیں۔

۱) بخاری، صحیح بخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، مصر، مصطفی البابی، ۱۳۵۵ھ، ابواب حجۃ الوداع و حجۃ النبی ﷺ

۲) کتاب السیر والمغازی (سیرت ابن اسحاق) محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی، بیروت، دار الفکر، ۱۹۷۸ء، تحقیق سہیل ذکار

۳) ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، حصہ چہارم، محولہ بالا

۴) تاریخ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، بیروت، دار صادر، بلا سن طباعت، ص ۱۰۹ تا ۱۱۲، جلد دوم

کتابیات

مقالہ کی تیاری کے لئے جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ آزاد، ابوالکلام، **ولادت نبوی**، لاہور، ادبستان، ۱۹۵۵ء۔

۲۔ آصف قدوائی، ڈاکٹر، **مقالات سیرت**، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۷ء۔

۳۔ آغا اشرف، **مرقع نبوت**، لاہور، مکتبہ القریش، ۱۹۹۰ء۔

۴۔ ابراہیم آئی، میجر جنرل، **اللہ کی تلوار**، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۵ء۔

۵۔ ابن اثیر، **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ**، بیروت، دار احیاء التراث العربی

۶۔ ابن اثیر، **الکامل فی التاریخ**، مصر، مطبع منیریہ، ۱۳۵۵ء۔

۷۔ ابن اسحاق، محمد، **کتاب السیر والمغازی** (تحقیق الدکتور سہیل زکار)، بیروت، دار الفکر، ۱۹۷۸ء۔

۸۔ ابن خلدون، عبدالرحمان، **تاریخ ابن خلدون**، بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ۱۹۵۷ء۔

۹۔ ابن خلکان، **وفیات الاعیان**، (تحقیق الدکتور احسان عباس) قم، منشورات الرضی، ۱۳۱۴ء۔

۱۰۔ ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۹۵۷ء۔

۱۱۔ ابن عابدین، علامہ، **رد المختار علی الدر المختار**، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۲۷۲ھ

۱۲۔ ابن عساکر، **تاریخ الکبیر**، دمشق، مطبعۃ روضۃ الشام، ۱۳۲۹ھ

۱۳۔ ابن کثیر، حافظ، **البدایہ والنہایہ**، بیروت، مکتبۃ المعارف، ۱۹۶۶ء۔

۱۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصر، مطبعۃ الخیریہ، ۱۳۰۶ھ

۱۵۔ ابوالخیر کشفی، سید، حیات محمدی قرآن حکیم کے آئینہ میں، کراچی، ہمدانی فاؤنڈیشن، ۱۹۹۰ء۔

۱۶۔ ابوالنصر، محمد، رسول عربی، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء۔

۱۷۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۰۵ء۔

۱۸۔ ابویوسف، قاضی، کتاب الخراج، مصر، المطبعۃ المصریہ، ۱۳۰۲ء۔

۱۹۔ احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، بیروت، مطبعۃ دار بیروت، ۱۹۶۰ء۔

۲۰۔ احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، مصر، مطبعہ میمنیہ، ۱۳۱۳ھ

۲۱۔ احمد بن شعیب ابوعبدالرحمن، سنن نسائی، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۲۵ھ

۲۲۔ احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، قاہرہ، مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ۱۳۵۰ھ

۲۳۔ احمد خان، سرسید، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۴ء۔

۲۴۔ احمد رضا خان، حدائق بخشش، لاہور، بسم اللہ کمپنی، ۱۳۲۵ھ

۲۵۔ احمد سعید، مولانا، رسول اللہ، دہلی، دینی بک ڈپو، ۱۹۵۰ء۔

۲۶۔ احمد شلبی، الدستور الیہودیۃ، القاہرہ، مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ۱۹۸۴ء۔

۲۷۔ احمد علی، مولانا، پیغام رسول، لاہور، خدام الدین، ۱۳۵۵ھ

۲۸۔ احمد محمد علی، الاستاذ، محمد رسول العظیم فی سلمہ وحربہ، مصر، مکتبۃ الاسلامیہ، ۱۹۶۹ء۔

۲۹۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، نبی اکرم کا مقصد بعثت، لاہور، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۹ء۔

۳۰۔ اسعد گیلانی، سید، رسول اکرم کا پیغام، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۹۲ء۔

۳۱۔ اسعد گیلانی، سید، رسول اکرم کی حکمت انقلاب، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۱ء۔

۳۲۔ اسماعیل، سید محمد، رسول عربی ﷺ اور عصر جدید، کراچی، مکتبہ صوت حق، ۱۹۶۹ء۔

۳۳۔ اشرف علی تھانوی، مولانا، حبیب خدا، لاہور، منظور پریس، ۱۹۷۸ء۔

۳۴۔ اعظمی، عبدالمصطفیٰ، سیرت مصطفیٰ، لاہور، رومی پبلیکیشنز، ۱۳۹۶ھ

۳۵۔ افروغ احسن حافظ، رحمۃ اللعالمین کے احسانات، لاہور، مکتبہ اردو ڈائجسٹ، ۱۹۹۳ء۔

۳۶۔ افضل حق، محبوب خدا، لاہور، قومی کتب خانہ، ۱۹۶۹ء۔

۳۷۔ اقبال، محمد، علامہ، ضرب کلیم، لاہور، [illegible] کتب، ۱۹۹۵ء۔

۳۸۔ الامام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی، السیرۃ النبویۃ ﷺ، مصر، مطبعۃ عیسیٰ البابی، ۱۳۸۴ھ

۳۹۔ الامام المحدث ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ السہیلی، الروض فی تفسیر ما اشتمل علیہ السیرۃ

۴۰۔ الحافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، دلائل النبوۃ، حیدرآباد دکن، دائرۃ معارف، ۱۳۲۰ھ

۴۱۔ الحسینی محمد بن علوی، امام مکی، انسان کامل، لاہور، ضیاء القرآن، ۱۹۸۸ء۔

۴۲۔ الحموی، یاقوت، معجم البلدان، مصر، ۱۳۲۳ھ

۴۳۔ الدکتور، زکی مبارک، المدائح النبویۃ فی الادب العربی، مصر، مطبعۃ مصطفیٰ، ۱۳۵۴ھ

۴۴۔ الرازی فخرالدین امام، تفسیر الکبیر، بیروت، دار احیاء التراث العربی، مکتبہ منیریہ، ۱۳۵۰ھ

۴۵۔ الزرقانی محمد بن عبدالباقی، شرح الزرقانی علی المواہب، مصر، الازہریہ، ۱۳۲۵ھ

۴۶۔ الزمخشری محمود بن عمر، الکشاف، مصر، مطبعۃ الامیریہ، ۱۳۱۸ھ

۴۷۔ الشیبانی، ابن الدیبع۔ حدائق الانوار ومطالع الاسرار فی سیرۃ المختار، قطر، دار احیاء القرآن

الاسلامی، ۱۳۹۵ھ

۴۸۔ الشیخ ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی، کتاب المغازی، کلکتہ، مصحح ثمر ہند، ۱۸۵۵ء۔

۴۹۔ الشیخ فتح الدین ابوالفتح محمد بن محمد ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل و السیر، مصر، مطبعۃ القدسی، ۱۳۵۶ھ

۵۰۔ العسقلانی، ابن حجر، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۳۹ء۔

۵۱۔ العسقلانی، ابن حجر، تہذیب التہذیب، گوجرانوالہ، دار النشر الکتب الاسلامیہ، ۱۹۷۳ء۔

۵۲۔ العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری شرح علی صحیح بخاری، مصر، بالمطبعۃ الکبری، ۱۳۰۱ھ

۵۳۔ العلامۃ احمد بن یحیٰی المعروف بالبلاذری، انساب الاشراف، مصر، دار المعارف، ۱۹۵۹ء۔

۵۴۔ العلامۃ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی، الخصائص الکبری، حیدر آباد دکن، دائرۃ المعارف، ۱۳۱۹ھ

۵۵۔ العلامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن بکر، ابن القیم، ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد''، مصر، مطبعۃ محمد علی، ۱۳۵۳ھ

۵۶۔ العلامۃ علی بن برھان الدین الحلبی، ''السیرۃ الحلبیۃ (انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون)''، مصر، مصطفی البابی، ۱۳۴۹ھ

۵۷۔ القاسم بن سلام، ابوعبید، کتاب الاموال، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ

۵۸۔ النجار، عبدالوہاب، قصص الانبیاء، قم، موسسۃ الدین والعلم مع دار الہجرۃ، ۱۴۰۵ھ

۵۹۔ امیر احمد، سید، خالد بن ولید، لاہور، قومی کتب خانہ، ۱۹۷۹ء

۶۰۔ امینی، محمد تقی، عروج و زوال کا الٰہی نظام، لاہور، مکی دار الکتب، ۱۹۹۸ء۔

۶۱۔ ایم اے، عبدالباری، رسول کریم کی جنگی اسکیمیں، لاہور، الفیصل ناشران کتب، ۱۹۸۶ء۔

۶۲۔ پانی پتی، متین طارق، معاشرہ النبی، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۷ء۔

۶۳۔ بخاری، عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱ء۔

۶۴۔ بشیر ساجد، عشرہ مبشرہ، لاہور، البدر پبلیکیشنز، ۱۹۹۴ء۔

۶۵۔ بلگرامی، حامد حسن، ڈاکٹر، نور مبین، کراچی، خزان برادرز، ۱۹۹۲ء۔

۶۶۔ تصدق حسین شاہ بخاری، سید، ایمان تقوی جہاد فی سبیل اللہ، سیالکوٹ، مکتبہ ندائے حق، ۱۹۷۷ء۔

۶۷۔ توکلی، محمد نور بخش، سیرت رسول عربی، لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۴۵ء۔

۶۸۔ ثناء اللہ، پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ

۶۹۔ رضوی، سید واجد، رسول ﷺ میدان جنگ میں، لاہور، پنجاب بک ڈپو، ۱۹۵۸ء۔

۷۰۔ جامی، عبدالرحمن، شواہد النبوۃ، بمبئی، فتح الکریم پریس، ۱۳۰۲ھ

۷۱۔ جنرل ہیڈکوارٹرز، خطابات عسکر، راولپنڈی، شعبہ دینی تعلیمات، ۱۹۹۸ء۔

۷۲۔ جنرل ہیڈکوارٹرز، رہنمائے قیادت، راولپنڈی، عسکری ریفرنس ڈائریکٹوریٹ، ۱۹۷۸ء۔

۷۳۔ جنرل ہیڈکوارٹرز، کیمیائی جنگ وجدل، راولپنڈی، آرمی سنٹرل پریس، ۱۹۹۱ء۔

۷۴۔ جنرل ہیڈکوارٹرز، نشان منزل، راولپنڈی، شعبہ دینی تعلیمات، ۱۹۷۸ء۔

۷۵۔ چودھری، علی اصغر، عہد نبوی کے نادر واقعات، لاہور، القمر انٹرپرائزز، ۱۹۸۶ء۔

۷۶۔ چودھری، علی اصغر، محمد ﷺ، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۸۹ء۔

۷۷۔ حافظ محمد یونس، ڈاکٹر، رسول اللہ کا سفارتی نظام، راولپنڈی، دارالقرآن، ۱۹۹۶ء۔

۷۸۔ حامدی، خلیل احمد، جہاد اسلامی، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۹ء۔

۷۹۔ حسن، ابراہیم حسن، ڈاکٹر، عمرو بن العاص، لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۵۶ء۔

۸۰۔ حسین سید مطلوب، **پیغمبر اسلام کے پیغام کی آفاقیت** (بین الاقوامی سیرت کانفرنس) اسلام آباد، وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، ۱۴۰۲ھ

۸۱۔ حقانی، عبدالقیوم، **اسلامی انقلاب**، اکوڑہ خٹک، موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ، ۱۹۹۱ء

۸۲۔ حمید اللہ، **رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی**، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۶۱ء

۸۳۔ حمید اللہ، محمد، **صحیفہ ہمام بن منبہ**، حیدرآباد دکن، اسلامک پبلشرز، ۱۹۵۶ء

۸۴۔ خالد علوی، **انسان کامل**، لاہور، یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۷۴ء

۸۵۔ خورشید احمد، پروفیسر، **اسلامی نظریہ حیات**، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۲ء

۸۶۔ خورشید احمد، پروفیسر، **مسلمانوں کے سیاسی افکار**، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۸ء

۸۷۔ دائم، عبدالدائم، قاضی، **سید الوریٰ**، لاہور، برائٹ بکس، ۱۹۹۷ء

۸۸۔ درانی، عطش، **اسلامی فکر و ثقافت**، لاہور، ۱۹۸۰ء

۸۹۔ دلاوری، ابوالقاسم رفیق، **محسن اعداء**، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۶۷ء

۹۰۔ دہلوی، عبدالحمید، **محبوب کائنات**، لاہور، کتب خانہ شان اسلام، ۱۹۷۶ء

۹۱۔ رازی، محمد ولی، **ہادیٔ عالم**، کراچی، دارالعلم، ۱۹۸۷ء

۹۲۔ راشد الخیری، **محسن حقیقی**، دہلی، عصمت بک ڈپو، ۱۹۳۵ء

۹۳۔ رضا علی، پاکستانی ایٹم بم اور علاقائی پس منظر، لاہور، پروگریسیو پبلشنگ میڈیا، ۱۹۹۴ء

۹۴۔ رفیق ذکریا، ڈاکٹر، **محمد ﷺ اور قرآن**، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۴ء

۹۵۔ زاہد ملک، **ڈاکٹر عبدالقدیر اور اسلامی بم**، اسلام آباد، مطبوعات حرمت، ۱۹۸۹ء

۹۶۔ زین العابدین، **نبی عربی ﷺ**، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۱ء

۹۷۔ سعید اللہ قاضی، ڈاکٹر، اصول تحقیق، پشاور، این بی پرنٹرز، ۱۹۹۲ء۔

۹۸۔ سعید، حکیم محمد، اخلاقیات نبوی ﷺ، کراچی، ہمدرد فاؤنڈیشن، ۱۹۸۲ء۔

۹۹۔ سعدیہ غزنوی، سیدہ، نبی اکرم بطور ماہر نفسیات، لاہور، الفیصل ناشران کتب، ۱۹۹۴ء۔

۱۰۰۔ سلیمان ندوی، سید، ارض القرآن، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۱۸ء۔

۱۰۱۔ سیوہاروی، حفظ الرحمان، قصص القرآن، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۵ء۔

۱۰۲۔ سیوہاروی، حفظ الرحمان، نور البصر فی سیرۃ خیر البشر، لاہور، مکی دار الکتب، ۱۹۹۴ء۔

۱۰۳۔ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجة الله البالغة، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۰۴۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۳۴۹ھ

۱۰۵۔ شفیع، مفتی محمد، سیرت خاتم الانبیاء، کراچی، کتب خانہ دار الاشاعت، ۱۹۷۳ء۔

۱۰۶۔ شمیم حسین، قادری، سید، اسلامی ریاست، لاہور، علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف، پنجاب، ۱۹۸۴ء۔

۱۰۷۔ شیت محمود، خطاب، الرسول القائد، قاہرہ، دار القلم، ۱۹۲۲ء۔

۱۰۸۔ صدیقی، صادق حسین، آفتاب عالم، لاہور، جہانگیر بک ڈپو

۱۰۹۔ صدیقی، عبد الحمید، ایمان اور اخلاق، لاہور، البدر پبلیکیشنز

۱۱۰۔ صدیقی، عبد القدوس، رسول اللہ کا نظام زندگی، کراچی، محمد سعید اینڈ سنز

۱۱۱۔ صدیقی، محمد عبد المجید، سیرت النبی بعد وصال النبی ﷺ، لاہور، مرحبا پبلیکیشنز، ۱۹۷۹ء۔

۱۱۲۔ صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۸ء۔

۱۱۳۔ صدیقی، محمد مظہر الدین، اشتراکیت اور نظام اسلام، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۷ء۔

۱۱۴۔ صدیقی، محمد میاں، خطبات رسول، اسلام آباد، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۷ء۔

۱۱۵۔ صدیقی، محمد میاں، مردِ مومن، راولپنڈی، مرکز مطالعہ سیرت، ۱۹۹۴ء۔

۱۱۶۔ صدیقی، نعیم، رسول اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۶۰ء۔

۱۱۷۔ صدیقی، نعیم، محسن انسانیت، سرگودھا، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۶۰ء۔

۱۱۸۔ صفوۃ الرحمن صابر، اسوہ حسنہ، کراچی، فضلی سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۷ء۔

۱۱۹۔ صفی الرحمان مبارکفوری، مولانا، الرحیق المختوم، لاہور، مکتبہ السلفیہ، ۱۹۹۵ء۔

۱۲۰۔ طالب الہاشمی، اخلاق پیغمبر، لاہور، القمر انٹرپرائز، ۱۹۹۴ء۔

۱۲۱۔ طالب الہاشمی، سرور کائنات کے پچاس صحابہ، لاہور، البدر پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء۔

۱۲۲۔ طبری، ابن جریر، تاریخ طبری، مصر، دار المعارف، ۱۹۶۱ء۔

۱۲۳۔ طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، قاہرہ، مطبعۃ الاستقامہ، ۱۹۳۹ء۔

۱۲۴۔ طیب، قاری، خاتم النبیین، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۷ء۔

۱۲۵۔ طیب، قاری محمد، آفتاب نبوت، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۰ء۔

۱۲۶۔ ظفیر الدین محمد، مولانا، اسوہ حسنہ (مصائب سرورِ کونین)، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۹ء۔

۱۲۷۔ ظہوری، عبدالوہاب، اسلام کا نظام حیات، لاہور، کتاب منزل، ۱۹۵۹ء۔

۱۲۸۔ عباس بخش عباس، پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں، ممبئی، دار الوفی راو، ۱۹۵۵ء۔

۱۲۹۔ عباسی، محمد احسان اللہ، الاسلام، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۹ء۔

۱۳۰۔ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۶۸ء۔

۱۳۱۔ عبدالحلیم شرر، مولوی، تاریخ اسلام، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء۔

۱۳۲۔ عبدالحئی، ڈاکٹر، اسوہ رسول ﷺ، کراچی، کتب خانہ مظہری، ۱۹۷۵ء۔

۱۳۳۔ عبدالرحمان، پروفیسر، حرم مدینہ، لاہور، جنگ پبلیشرز، ۱۹۸۹ء۔

۱۳۴۔ عبدالرشید، ڈاکٹر، ادیان و مذاہب کا تقابلی جائزہ، کراچی، [illegible] سنز، ۱۹۸۸ء۔

۱۳۵۔ عبدالصمد، ڈاکٹر، سیرت نبوی اور سیرت نگاری کا خصوصی مطالعہ، کراچی، یونیورسل پبلشرز، ۲۰۰۱ء۔

۱۳۶۔ عبدالصمد رحمانی، مولانا، حیات پیغمبر اعظم، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷

۱۳۷۔ عبدالمقتدر، مولانا، سیرۃ طیبہ محمد رسول اللہ ﷺ، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۸۹ء۔

۱۳۸۔ عبدالمجیب، بریگیڈیر، سبیل الرشاد، راولپنڈی، آرمی ایجوکیشن پریس، ۱۹۸۵ء۔

۱۳۹۔ عرفی، عبدالعزیز، جمال مصطفی، کراچی، گیلانی پبلیشرز، ۱۹۸۹ء۔

۱۴۰۔ عزیز غلام ربانی، پروفیسر، سیرت طیبہ، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء۔

۱۴۱۔ عقیل احمد صدیقی، قاضی، تاریخ امت مسلمہ، کراچی، ناظم آباد، ۱۹۸۰ء۔

۱۴۲۔ علم الدین سالک، پروفیسر، نقوش سیرت، لاہور، کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ۱۹۸۳ء۔

۱۴۳۔ علوی خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، المکتبہ العلمیہ، ۱۹۶۸ء۔

۱۴۴۔ علی بن برہان، السیرۃ الحلبیہ، مصر، مطبع مصطفی محمد

۱۴۵۔ علی بن حسین، المسعودی ابوالحسن، تاریخ مسعودی، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۶۷ء۔

۱۴۶۔ علی حسن خان، المدینۃ فی الاسلام، قومی پریس، لکھنؤ، ۱۹۱۲ء۔

۱۴۷۔ عمادی، ابراہیم، خاتم النبیین، ممبئی، سلطان پریس، ۱۹۵۰ء۔

۱۴۸۔ عمر فاروق غازی، کرنل ریٹائرڈ، تحقیق کے اصول و ضوابط، لاہور، فاران پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۹۔ عنایت اللہ محمد سبحانی، محمد عربی، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۹ء۔

۱۵۰۔ غازی الدین احمد، **سیرت طیبہ**، لکھنو، النظر پریس، ۱۹۴۳ء

۱۵۱۔ غازی، پروفیسر نور محمد، **نبی کریم کی معاشی زندگی**، لاہور، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ، لائبریری، ۱۹۸۸ء

۱۵۲۔ غازی، حامد الانصاری، **اسلام کا نظام حکومت**، لاہور، مکتبہ احسن

۱۵۳۔ غازی، حامد الانصاری، **خلق عظیم**، بجنور، مدینہ بک ایجنسی، ۱۳۶۸ء

۱۵۴۔ غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، **احیاء العلوم الدین**، مصر، مطبع منیریہ، ۱۳۵۰ھ

۱۵۵۔ غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، **کیمیائے سعادت**، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۲۷۷ء

۱۵۶۔ غفاری نور محمد، **نبی کریم ﷺ کی معاش زندگی**، منچن آباد (بہاولنگر)، ابوذر غفاری اکیڈمی، ۱۹۹۰ء

۱۵۷۔ غلام رسول، چوہدری، **مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ**، لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۷۶ء

۱۵۸۔ غلام مرتضیٰ ملک، ڈاکٹر، **انوار قرآن**، راولپنڈی، ہمدرد بک کلب، ۱۹۹۸ء

۱۵۹۔ فرمان علی چوہدری، صوبیدار، **ایمان تقویٰ جہاد فی سبیل اللہ**، لاہور، شرکت حنفیہ کمیٹیڈ، ۱۹۸۱ء

۱۶۰۔ فضل احمد، **انوار الھدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ**، لاہور، پنجاب بک ڈپو

۱۶۱۔ فضل حق، چوہدری، **محبوب خدا**، لاہور، قومی کتب خانہ، ۱۹۵۰ء

۱۶۲۔ فضل ربی، کیپٹن، **حرب اسلامی اور دفاع پاکستان**، راولپنڈی، دار الخلص، ۱۹۹۲ء

۱۶۳۔ فضل مقیم، میجر جنرل، **پاکستان کا المیہ ۱۹۷۱ء**، راولپنڈی، آرمی ایجوکیشن پریس

۱۶۴۔ فیوض الرحمان، بریگیڈیئر، **نامور سپہ سالار**، راولپنڈی، شعبہ دینی تعلیمات، جنرل ہیڈ کوارٹرز، ۱۹۹۵ء

۱۶۵۔ کشفی، ابوالخیر سید، حیات محمدی ﷺ قرآن حکیم کے آئینہ میں، کراچی، دوا ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ۱۹۹۰ء۔

۱۶۶۔ قاسمی، اخلاق حسین مولانا، رسول اکرم کی انقلابی سیرت، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء۔

۱۶۷۔ قاضی، محمد شریف، اسوہ حسنہ، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۹ء۔

۱۶۸۔ قدسی، عبیداللہ، رحمۃ اللعالمین، کراچی، رشید اینڈ سنز، ۱۹۸۹ء۔

۱۶۹۔ قطب شہید، سید، تفسیر فی ظلال القرآن، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیہ

۱۷۰۔ قمر تسکین، اسلام کے نامور مجاہدین، لاہور، مکتبہ القریش، ۱۹۵۸ء۔

۱۷۱۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، سیرت پاک کی خوشبو، کوئٹہ، سیرت اکادمی بلوچستان، ۱۹۹۳ء۔

۱۷۲۔ کوثر نیازی، مولانا، ذکر رسول، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۸۹ء۔

۱۷۳۔ گلزار احمد، بریگیڈیئر، عسکری قیادت، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء۔

۱۷۴۔ گلزار احمد، بریگیڈیئر، غزوات رسول ﷺ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء۔

۱۷۵۔ گوہر رحمان، مولانا، اسلامی ریاست، مردان، دار العلوم تفہیم القرآن، ۱۹۹۵ء۔

۱۷۶۔ گیلانی، مناظر احسن سید، النبی الخاتم، لاہور، احسن برادرز، ۱۹۶۲ء۔

۱۷۷۔ ماہر، محمد حمید اللہ، "رؤف الرحیم"، کراچی، مرزا خالد سعید بیگ، ۱۹۶۱ء۔

۱۷۸۔ محبوب رضوی، سید، مکتوبات نبوی، لاہور، نذیر اینڈ سنز، ۱۹۷۸ء۔

۱۷۹۔ محمد اجمل خان، رسول عربی، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۵ء۔

۱۸۰۔ محمد اسلم، خواجہ، محبوب کے حسن و جمال کا منظر، لاہور، مکتبہ اشرفیہ رائے ونڈ

۱۸۱۔ محمد اسمٰعیل حکیم، رسول عربی اور عصر جدید، کراچی، مکتبہ طلوع سحر، ۱۹۶۹ء۔

۱۸۲۔ محمد اسمٰعیل حکیم، ہادی کونین، رحیم یار خان، عجمی شوکار، ۱۹۷۴ء۔

۱۸۳۔ محمد اشرف ظفر، صلیبی جنگ کی تباہ کاریاں اور عالم اسلام کا مستقبل، راولپنڈی، کمپیوٹیرز اقبال پلازہ، ۱۹۹۲ء۔

۱۸۴۔ محمد اکبر خان، میجر جنرل، اسلحہ جنگ، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ۔

۱۸۵۔ محمد اکبر خان، میجر جنرل، حدیث دفاع، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ

۱۸۶۔ محمد اکبر خان، میجر جنرل، خالد بن ولید، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ

۱۸۷۔ محمد اکرم مدنی، صوفی، معمولات مصطفی، جہلم بک کارنر

۱۸۸۔ محمد بن ابراہیم، خطبات محمدی، مکتبہ شعیب، کراچی، ۱۹۵۳ء۔

۱۸۹۔ محمد بن یزید، ابوعبداللہ، سنن ابی ماجہ، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی

۱۹۰۔ محمد ثانی حافظ، تجلیات سیرت، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۶ء۔

۱۹۱۔ محمد حبیب اللہ مختار، ڈاکٹر، جہاد، کراچی، دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، ۱۹۹۴ء۔

۱۹۲۔ محمد حبیب اللہ مختار، ڈاکٹر، مقدس باتیں، کراچی، دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، ۱۹۹۴ء۔

۱۹۳۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، ۱۴۰۲ھ

۱۹۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۳۶۹ھ

۱۹۵۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی کے میدان جنگ، لاہور، ادارہ اسلامیات

۱۹۶۔ محمد ڈاکٹر جاوید لیفٹیننٹ کمانڈر، اسلامی تعلیمات اور اسلامی ریاست، لاہور، غلام مصطفیٰ شیخ، ۱۹۹۱ء۔

۱۹۷۔ محمد رضا، محمد رسول اللہ، مصر، مطبع عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ، ۱۹۳۴ء۔

۱۹۸۔ محمد زاہد الحسینی، قاضی، رحمت کائنات، کیمبل پور، دار الاشاعت

۱۹۹۔ محمد سعید، حکیم، تذکار محمد، کراچی، ہمدرد اکیڈمی، ۱۹۷۲ء

۲۰۰۔ محمد سعید خان، مولانا، کتب وکتاب جاودانہ، راولپنڈی، ادارہ مطبوعات اسلامیہ، ۱۹۹۲ء

۲۰۱۔ محمد شریف، رلیہ، حیات رسالت ماب ﷺ، جوہر آباد، زاہد اکیڈمی، ۱۹۷۲ء

۲۰۲۔ محمد شریف، رلیہ، شہدائے عہد نبوی، جوہر آباد، زاہد اکیڈمی، ۱۹۷۴ء

۲۰۳۔ محمد شریف، رلیہ، عہد نبوی کے فوجی کمانڈر، جوہر آباد، زاہد اکیڈمی، ۱۹۷۷ء

۲۰۴۔ محمد شمس الرحمان، کیپٹن، دفاع اور جنگی تیاری کا اسلامی تصور، راولپنڈی، شعبہ دینی

۲۰۵۔ محمد صادق، سیالکوٹی، مولانا، سید الکونین، سیالکوٹ، مکتبہ کتاب وسنت، ۱۹۶۱ء

۲۰۶۔ محمد صدیق، قریشی، پروفیسر، رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء

۲۰۷۔ محمد صدیق، قریشی، پروفیسر، رسول اللہ کا نظام جاسوسی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۰ء

۲۰۸۔ محمد طاہر مصطفی، سیرۃ الرسول فی اسماء الرسول، لاہور، صادق پبلیشرز، ۱۹۸۰ء

۲۰۹۔ محمد طفیل، نقوش کا رسول نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۴ء

۲۱۰۔ محمد ظفر الدین، مولانا، اسلام کا نظام امن، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۸۱ء

۲۱۱۔ محمد عبد الجبار، شیخ، پروفیسر، سیرت مجمع کمالات، سیالکوٹ، ادارہ تعلیمات سیرت، ۱۹۸۸ء

۲۱۲۔ محمد عزیز، ڈاکٹر، پیغام اور پیغامبر، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۴ء

۲۱۳۔ محمد عنایت اللہ، محمد ﷺ عربی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۶۹ء

۲۱۴۔ محمد کرم شاہ، پیر، سنت خیر الانام، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، ۱۹۹۱ء

۲۱۵۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، آخری پیغام، کراچی، ادارہ مسعودیہ، ۱۹۹۸ء

۲۱۶۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، سیالکوٹ، اسلامی کتب

۲۱۷۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، محدث بریلوی، کراچی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۹۹۳ء

۲۱۸۔ محمد منظور نعمانی، مولانا، معارف الحدیث، لاہور، عمر فاروق اکیڈمی، ۱۹۸۲ء

۲۱۹۔ محمد ندیم باری، فقیر، معلم اخلاق، فیصل آباد، سیرت اکیڈمی

۲۲۰۔ محمد ہاشم سندھی، مخدوم، علامہ، عہد نبوی کے ماہ و سال، لاہور، حسین چوہدری ٹرسٹ، ۱۹۷۶ء

۲۲۱۔ مسعود احمد شاد، رسول حکمت، لاہور، نگارشات، ۱۹۹۲ء

۲۲۲۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، اصحاب بدر، لاہور، مکتبہ نذیریہ، ۱۹۸۰ء

۲۲۳۔ منظور ممتاز، ڈاکٹر، انسان کامل اور نبی اکمل، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۴ء

۲۲۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۳ء

۲۲۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، راولپنڈی، سروسز بک کلب، ۱۹۸۸ء

۲۲۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرور دو عالم، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۹ء

۲۲۷۔ مہر، مولانا غلام رسول، رسول رحمت، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز

۲۲۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۳۷۷ء

۲۲۹۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروان مدینہ، کراچی، مجلس نشریات، ۱۹۷۵ء

۲۳۰۔ ندوی، ابوالحسن علی، نبی رحمت، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۸ء

۲۳۱۔ ندوی، رشید اختر، طلوع اسلام، لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ

۲۳۲۔ ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن

۲۳۳۔ ندوی، عبدالسلام، اسوہ صحابہ، کراچی، مکتبہ رفیق، ۱۹۷۶ء

۲۳۴۔ ندوی، مجیب اللہ، مولوی، اہل کتاب صحابہ وتابعین، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۵۱ء

۲۳۵۔ ندوی، محمد حنیف، اساسیات اسلام، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۳ء

۲۳۶۔ نصیر احمد جامعی، سید، مشہور اسلامی جنگیں، لاہور، احسن برادرز، ۱۹۶۳ء

۲۳۷۔ نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ

۲۳۸۔ نصیر احمد، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم وآخر، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ

۲۳۹۔ نعمانی، محمد منظور، دین وشریعت، ساہیوال، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۹۳ء

۲۴۰۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۸۴ء

۲۴۱۔ نقشبندی، محمد عبدالحکیم شرف قادری، مقالات سیرت طیبہ، لاہور، مکتبہ قادریہ، ۱۹۹۳ء

۲۴۲۔ نور محمد غفاری، ڈاکٹر، نبی کریم کی معاشی زندگی، لاہور، حقیق پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۰ء

۲۴۳۔ واحد بخش سیال، کپتان، پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت، لاہور، بزم اتحاد المسلمین، ۱۴۰۷ء

۲۴۴۔ واقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، لندن، جامعہ آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء

۲۴۵۔ وحید الدین خان، مولانا، پیغمبر انقلاب، لاہور، المکتبہ الاشرفیہ، ۱۹۸۳ء

۲۴۶۔ وحید الدین، سعید، محسن اعظم اور محسنین، کراچی، سید وحید الدین، ۱۹۶۲ء

۲۴۷۔ وحید الدین فقیر، باران رحمت، لائن آرٹ پریس، کراچی، ۱۹۶۸ء

۲۴۸۔ وحید الزماں، علامہ، لغات الحدیث، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۲۴ھ

۲۴۹۔ یزدانی، محمد حنیف، مولانا، محمد رسول اللہ ﷺ (غیر مسلموں کی نظر میں)، لاہور، مکتبہ نذیریہ، ۱۹۷۹ء

۲۵۰۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، بیروت، دار صادر

251- Abdul Rauf Sheikh, lieutenant Colonel (Retd.), **The Vision**, (Rawalpindi: Aleem Publications), 1987A.D

252- Ameer Ali, Syed, **The Spirit of Islam**. (London: Chrestophers), 1961 A.D.

253- Bodley, Ronald Victors Courteney, **The Messanger**, (Lahore: Orintalia), 1954 A.D.

254- Enclyopedia of Britannica, Chicago. (Encyclopedia Britannica Ine), 1985 A.D.

255- Gavba, K.C., **The Prophet of the Desert**, (Lahore: Lion Press), 1946 A.D.

256- Gerard Chiand, **The art of War in World History**, (London: University of California Press), 1994 A.D.

257- Griffith, Ralph T.H., **Hymns of the Rgveda**, (Varanasi (India): The Chowkhamba Sanskirit Series), 1963 A.D.

258- Gulzar Ahmed Bridadier, **Battles of hte Prophet of Allah**, (Rawalpindi: Army Education Press), 1981 A.D.

259- Gulzar Ahmed Brigadier, **The Prophet Concept of War**, (Lahore Islamic Book Foundation), 1986 A.D.

260- Hashmi Yousaf Abbas, Prof. Dr., **Muhammad the Ummi** Nabi, (Karachi: Dr.I. H. Qureshi Club), 1991 A.D.

261- K. Ali Professor, **A Study of Islamic History**, (Lahore: Zahid Publicaitons), 1980 A.D

262- L. Langer William. **Encyclopedia of World History**. (United State of America. Bostan Company). 1952 A. D

263- Lings Martine. **Muhammad**. (Lahore: Services Book Club). 1985 A.D.

264- Muhammad Ali. Maulana. **Muhammad The Commander of the Faithful**. (Lahore: Sheikh Mubarak Ali). 1977 A.D.

265- Nur Muhammad, **Glories of Islam**. (Lahore: Feroz Sons). 1961 A.D.

266- Pickthall. Muhammad Marmaduke. **Life of Holy Prophet Muhammad**. (Karachi. Muhammad Ali Education Society). 1965 A.D.

267- W. Mentgomery. Watt, **Muhammad at Mecca** (Oxford: The Clarendon Press). 1953

268- W. Mentgomery. Watt. **Muhammd at Medina**. (Oxford: The Clarendon Press). 1956 A.D.

269- William Lane. Edward. **Arabic English Lexian**. (Lahore. Islamic Book Centre). 1978

Addition in Bibliography:

270- Leonard. Arthur G. **"Islam, Hermoral and spiritual value"**. London. 1927

271- Lings. Martins. **"Muhammad His life based on earliest"**, London. 1983.

272- Margolioth. D.S. **"Muhammad and the rise of Islam"**. New York, 1905.

273- Micheal. H. Hart. **"The 100- A ranking of the most influential person in History"**. New York, 1978.

274- Muir, Sir William. **"Women in the modern world"**. New York.

275- Qureshi. Zafar Ali. **"Prophet Muhammad and his western critics"**. Ilmi Kitab Khana, Lahore, 1984.

276- Rau, Rama Crishna, K.S. **"Muhammad the prophet of Islam"**. Delhi, 1979.

277- Robert's J.M. **"The religion History of the world"**. New York. 1984.

278- Rodwell. J. M. **"The Koran"**. London. 1918.

279- Russel. Bertrand, **"A history of western Philosophy"**. London, 1984.

280- Schacht. Joseph. "Muhammad". **"Encyclopaedia of Social Science"**. New York, 1959.

281- Scott. S.P. **"History of the Moorish Empire in Europe"**. Philadel phia, 1904.

282- Smith. R. Bosworth. **"Muhammad and Muhammadanism"**. London. 1874. (Reprint Labore)

283- Smith. Welfred Cantwel. **"Islam and modern history"**. New York, 1975.

284- Stobbart. J.W. H. **"Islam and its founder"**. London. 1901.

285- Toynbee. A.J. **"Civilization on Trial"**. New York. 1948.

286- Syed. Dr. Furqan Ali. **Poly Gamy and the Prophet of Islam** (English Translation Kaukab Shadani) Feroz Sons Karachi. 1989.

287- Watt. Motogomery. **"Muhammad Prophet and Statesman"**. Oxford University Press, 1961.

288- Wells. H.G.. **"A short history of the world"**. London. 1924.

289- Wells. H.G., **"The outline of history"**. New York. 1931.

290- Zain. Syed Abuzafar. **"The Prophet of Islam as the Ideal Husband"**. Karachi. 1990.

Summary of the Thesis

My thesis is based primarily on the following two subjects of study:

1) The establishment of fraternity in Medina (*muwakhat*);
2) The Charter of Medina (*mithaq*)

Placing these two topics within an investigative framework, I have tried to demonstrate as to how these two are pertinent today especially with reference to socio-political reform.

The thesis consists of the following chapters. It is prefaced with a review of the literature on the subject and its assessment.

In the **first chapter**, a survey has been made of the socio-religious life of Arabs before the advent of Islam. In doing so, an assessment has been made as to how Islam dramatically ameliorated their wretched condition and initiated a process of reformation in all walks of life.

In the **second chapter**, an extended discussion on the Prophet Muhammad's (صلی اللہ علیہ وسلم) peace Initiatives : Life of Makkah and Madina perspective.

The **third chapter** deals with Prophet Muhammad's (صلی اللہ علیہ وسلم) effort on building Muslim Brotherhood in Makkah and Madina.

The **fourth chapter** deals with The treaty of Madina A comprehensive Study.

The **fifth Chapter** highlights the Prophet's Treatment of the Jews.

In the **sixth chapter**, I have brought out a unique aspect of the whole issue by stressing the Islamic responsibilities of the Muslims and the guidance available in the life (*Sirah*) of the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) ___ ____ Prophet`s continous efforts of global peace and peaceful co-existance.

The **conclusion** represents the sum and summary of the contents of the entire thesis. The bibliography contains the names of the books referred to in the course of writing my thesis.

The central subject of the thesis is the Constitution of Medina. After a brief description of the fraternity (*mukhawat*) established in Medina, I give an explanatory summary of the central topic.

The establishment of Brotherhood

Soon after Hijrah, the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) cemented the bonds of love and assistance between the Muhajireen and the Ansars by establishing a new bond of brotherhood between the two. The Meccan Muhajireen had arrived in Medina in a condition of great penury and helplessness. They had abandoned their all in Mecca (houses, properties, and riches) for the sake of their faith and many of them were in a state of great distress and needed the assistance of the Madinaian Muslims, who, however, were in a position to help them. The Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم), therefore, established a brotherhood between the two groups -- brotherhood based not on kinship or blood but on faith, which linked them together in sorrow and in a joy. In this way, an Ansari become a brother of a Muhajir and had to share this wealth and property with his new brethren-in-faith. There were many touching scenes of this new spirit of fraternity.

However, many of the Muhajireen refused to submit to their straitened circumstances. They soon took to trade and business and produced wealth in a short time thus becoming independent of their hospitable brethen-in-faith. After the Battle of Badr, when the Zakat and war-booty brought increasing riches to the Muslims, the League of Brotherhood became redundant.

Agreement with jews

The next step was to enter into agreement with the Jews of Madina. According to the historians, the Jews of Madina were not the descendents of the original Bani Israel but in fact they were Arabs, who has subsequently accepted the Jewish faith. Their names Nadhair, Qaynuqoh, Marhab Harith etc., were all the Arabs names rather than those of Jewish origin. There were three prominent tribes of the Jews i.e. Bani Qaniqah, Bani Nazeer and Bani Qureza. They were all settled in the suburbs of Madina and had their own strong fortresses. They were adversaries of the two prominent tribes of the Ansars i.e. Aus and Khazraj. In the Battle of the Ba'as the Ansars had become weak and, therefore, the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) made a settlement with the Jews and ultimately an agreement was drawn up on the following terms:

a. Every tribe and clan would manage its affairs and settle its own disputes according to its own law.
b. No party in Madina, either Muslim or Jew, would directly negotiate any treaty of agreement at any time with any outside party residing beyond the precincts of Madina.
c. In case of war outside Madina no Madinites would be compelled to join either of the warring parties.

The chapter of Madina and its original essence

After establishing fraternal relations between the local and Qurayshite Muslims and alleviating the financial distress of the Muhajireen, Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم) next turned his attention to the problem of relations between the Jews and the Muslims, the restoration of peace and order in Madina, torn by a century of strife and bloodshed, and the Organisation of the city as a community of believers. Abdullah bin Ubayy and his Munafiqeen had not yet become a problem and a danger because Islam was so strong in Madina and was spreading so fast that they dared not oppose the Prophet or the spread of his religion openly. The Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) also adopted a conciliatory attitude toward Abduallah his Ubayy. It was only when the Qurayshite invaders and aggressors began to encircle Madina that the Munafiqeen, who become the hirelings and tools of the Quraish, became a danger to the security of the Madina republic and to Islam.

Madina was inhabited by two races, the Arabs and the Jews. When, after the hijrah, a great majority of the Arabs of Madina adopted Islam, it came to inhabited by two religious communities. Religious, social and political relations of peace was established after a century or so of bloodshed and discord, war and killing which prevailed between the clans of the two rival tribes of the Aus and the Khazraj Medina was to be organized on the basis of sound administration and government. The Chapter of Madina, which the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) granted to the Jews and various clans of Madina, solved these problems and achieved the purpose of establishing between peace between the two. We shall here briefly describe the main provisions of this Charter of Madina and shall then discuss its effect and importance.

The Charter of the Covent of Madina is lengthy document. For our convenience, we had divided and arranged its provisions under the three headings under the three headings, political, civic and religious:

The Charter

Its preamble:

"From the Apostle of God, for those of the Quraish and the inhabitants of Madina who accepted Islam and adopted the Faith; and for those who are subservient to them in war and alliances.

Its political clauses:

a. Republic and Nation of Madina: They (i.e. the Muslims and the Jews) constitute one political Ummah or entity.

b. Peace terms: The valley of Yathrib (Madina) will be taken for a Sanctuary (i.e. a place of peace) by all its citizens Muslims or Jews.

c. Sovereignty of Allah and the authority of the Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم):

   i. In case differences arose between the citizens, they should turn for guidance to God and His Prophet.

   ii. If any disputer or any fatality amongst the people of Madina and mischief is feared, then guidance will be sought from God and His Prophet, Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم) God's will is with that person who obeys the in junctions and decisions with the best of intentions and fidelity.

   iii. No one in Madina, Muslim or Jew would declare war or proceed on a military campaign

save with the permission of Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم).

iv. Controversies and disputes shall be referred to the decision of God and His Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم).

Duties and obligations of war and place:

1) War and peace shall be made by common consent. He that goes forth shall be secure: and he that sits at home shall be secure.
2) While fighting in the way of God. no Believer would make peace with the enemy leaving alone his fellow Muslims as long peace is not unanimously resolved upon.
3) The Believers would be one Community and act jointly while making peace. They will unanimously take vengeance on anyone who fights against them in the path of God.
4) The Jews an the Muslims will mutually help each other if a third party contemplates an invasion of Madina.
5) In case the Jews have to fight side by side with the Muslims on the battle field. they will are the costs along with the Muslims.
6) If the Muslims are invited to make peace the Jews shall also accept the same terms and observe them. And if the Jews invite the Muslims for a similar purpose. it will be incumbent on the Muslims to.
7) Behave similarly. The only exception will be in the case of a religious war.

Prohibition of civil strife:

If anyone fights with people of this Covenant, the contractors jointly resist him i.e. the Muslims and the Jews. There shall be peace and concord amongst them. There shall be fidelity and not faithlessness among them.

Political duties of the non-Muslims:

None of the non-Muslims may offer protection to the life and property of the Quraish of Mecca nor defy a Believer in this respect.

Civic clauses

Responsibility for peace and Blood money:

The Quraish emirants and the people of the Banu Aus and Banu Khazraj will be responsible for their own wards. They will pay blood money on a co-operative basis and those relations between them and the Believers of other tribes, clans or parties will be based on justice and equity.

Duties regarding debts and contracts:

The Believers will to rescue of anyone who has fallen badly into debt so that relations between such a person and the Believers may be re-established on justice and equity. No Believer will enter into direct relations with any person who has already entered into contract with another Believer.

Duties regarding the breach of peace and other offences:

The pious Believers will unanimously rise against anyone who rebels or who commits fornication or any offence to tyranny or who attempts to stir up mischief amongst them. They are to make common cause against such a person, even though he may be their kinsman.

Duties of Believers:

Neither a Believer will kill a Believer on behalf of an infidel nor will he render help to a non-Believer against a Believer.

The punishment of murderers:

Whosoever kills a Believer, intentionally and deliberately, and has his crime proven against him shall be subject to retaliation unless the gurardian of the assassinated person agrees to accept blood money. None of the Believers will offer protection to any murderer or abet him in any way whosoever does so will bring down on himself the wrath and curse of God. No penalty or indemnity would be accepted of him. The Jews who have also agreed to this Covenant are under the same obligation.

Right of retaliation or self-defence:

No obstacles or impediments would be placed in the way of a person who has received a physical injury should be wish to retaliate.

Responsibility for murder:

Whosoever causes bloodshed shall be held responsible and his tribe with him; otherwise it would be an act of tyranny. God's will is with those who obey is injunction scrupulously.

Its religion clauses

Mutual responsibility and brotherhood of Muslims:

The responsibility of a Believer of God's kingdom is such that should be even the lowest amongst the Believers offer refuge to somebody, then every Believer would be under an obligation to defend and respect him. The Believers are brothers and constitute one unit against the whole world. If a Jew becomes a Muslim, he will be treated as an equal. He would not be tyrannized and no help would be offered to anybody against him.

Political alliance with the Jews:

The Jews are recognized as being in political alliance with Muslims and are one with them.

Freedom of worship and the principle of tolerance:

Both Jews and Muslims will offer reciprocal respect and tolerance for their two religions. Whosoever is responsible for any aggression or for the breach of any treaty, he will make himself and his household responsible for necessary punishment whether his is a Muslim or a Jew.

Such are, in brief, the salient features of the Charter of Madina or the Covenant of Madina, which the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) promulgated soon after his arrival in Madina.

Its effects

A perusal of the Charter would clearly indicate that it aimed at and brought about a complete transformation in the political, religious and civic life of Madina. Firstly it established political unity and transformed the city of warring tribes into a peaceful State or republic, headed by the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) under the sovereignty of Allah. Secondly, it replaced civil strife and discord. The life and property of every person, Muslim or Jew, was protected by the Prophet and Islam. The Charter guaranteed equality of rights and duties to the citizens of Madina irrespective of their colour, creed or social status. Thus a rule of law was proclaimed where there was before a rule of tribal vengeance and inequality. Thirdly, it proclaimed the principles of religious freedom and tolerance.

Its significance

The Charter of Madina has been called the first constitution of the world. It proclaimed the priciples of civic equality, the rule of law, freedom of ownership and religious tolerance. But it was more than that; it was the Manifesto of the Prophet, outlining his plan or program for rebuilding the strife-torn areas of yathrib. It also outlined the blueprint of a similar plan for unifying the war-torn land of Arabia.

The proposals of the Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم):

A study of the Charter clearly shows that the Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) aimed at such a rebuilding at Madina in which the Muslims and the Jews would be equal citizens. At that time, nearly

half the population of Madina was Jewish. They were landlords, merchants and shopkeepers and possessed great wealth and riches. They had also fortified houses, castles and colonies in and around Madina. Yet they could not be allowed to form a state within a state, hostile to the Muslim State, but to be incorporated as equal citizens and partners in a single State of Madina. This was the ultimate goal and ideal of this Charter, embodied in this provision: "To form one community or Ummah as against mankind." It indicates the statesmanship of the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) of the highest order and of his forseeing several races and religious as co-citizens. It was solely due to the perfidy and treachery of the Jews who joined hands with the Qurayshite aggressors against him and his Republic that they were later banished.

A new socio-political order:

Another significant change which the Charter aimed at was a new social order in place of the old tribal kinship. The new community was to be organized on allegiance to the new religion and the sovereignty of God. Hitherto the greatest social unit in ancient Arabia was the clan or the tribe, with kinship or blood relationship as its social bond and political boundry. Such a tribal Organisation was a source of weakness and war in the country. It was unable to preserve peace outside the boundaries of the tribe or the clans as the case may be. Even within the tribe it failed to keep peace when it increased in number or was split by some powerful motive such as economic gain etc. Hence wars and disputes between clan and clan and tribe and tribe were common in Arabia. The Charter of Madina, however, substituted a new and stronger bond of allegiance to Islam, loyalty to the Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) and the sovereignty of God in place of the limited and weak bond of tribal membership. It unified several tribes of Madina and aimed at uniting all the tribes of Arabia, as we shall see, and this bring an Arab nation into existence. Social and political brotherhood of

Islam took precedence over all other ties and relationships of blood and tribe. It bound all Muslims together for offence and defence; it guaranteed them the protection of the Community, except when a man was an obvious offender. It made God and his Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) the final Arbitrator in all disputes. Though the tribe still remained the basis of social relationships, it was super-imposed by a new bond of religious cohesion. In this Charter brought about a socio-polotical revolution in the history of Arabia. The basic principle of this revolution was the head-ship of the Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) under the sovereignty of God. This agreement gave the administration of the State of Madina in the hands of the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم).

REFORM OF SOCIETY IN THE LIGHT OF THE FRATERNITY AND CHARTER OF MEDINA________ AN INVESTIGATIVE ANALYSIS WITH REFERENCE TO THE LIFE OF THE HOLY PROPHET MUHAMMAD(صلی اللہ علیہ وسلم)

Thesis for
Ph.D

Supervisor:
PROF. DR. MUHAMMAD MAS'UD AHMED

Candidate:
Zeenat Rashid

Deptt. of Qur'an and Sunnah
Faculty of Islamic Studies,
University of Karachi.
June 2003